سوے حرم چلا

مولانا سید جلال الدین عمری

ترتیب

حرفِ چند ۵

ایک ماہ سعودی عرب میں ۷

جدہ پہنچے ۷
رخ جانبِ حرم ہے ۸
خدا کا گھر سامنے ہے ۹
عمرہ ادا کیا ۱۰
مقاماتِ مقدسہ کی زیارت ۱۰
اگلی منزل مدینہ منورہ ہے ۱۲
ان آنکھوں نے مسجد نبوی دیکھی ۱۲
مقاماتِ مقدسہ کی زیارت ۱۴
ریاض روانگی ۱۵
منطقہ شرقیہ ۱۵
ریاض دوبارہ آمد ۱۷
واپسی بہ راہِ جدہ ۱۹

طوافِ وداع	۲۰
طائف کا سفر	۲۰
علی گڑھ لوٹ آئے	۲۲
سفرِ حج	**۲۳**
حج کی فرضیت اور فضیلت	۲۳
حج کے حدود و آداب	۲۴
حج کا تعلق حضرت ابراہیمؑ سے	۲۵
حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کا مکہ میں آباد ہونا	۲۶
ہاجرہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتی ہیں	۲۸
زم زم نکل آیا	۳۱
قربانی	۳۲
رمی جمار	۳۶
خانۂ کعبہ کی تعمیر	۳۷
حجرِ اسود	۴۰
مقامِ ابراہیم	۴۰
حج کا اعلان	۴۱
سفرِ حج کی روداد	۴۳
عمرہ کی ادائے گی	۴۶
مدینہ منورہ روانگی	۵۱
مدینہ سے واپسی	۶۱
وطن مراجعت	۷۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفے چند

۱۹۹۰ء میں پہلی مرتبہ اس عاجز کو عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ اسی کے ساتھ سعودی عرب کے تمام اہم مقامات کا دورہ کیا۔ بہت سی چیزیں دیکھیں اور حسبِ توفیق دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تذکیر کی خدمت انجام دی۔ اس کی مختصر سی روداد جنوری تا مارچ ۱۹۹۰ء کے سہ ماہی تحقیقات اسلامی میں شائع ہوئی۔

۱۹۹۳ء میں اللہ تعالیٰ نے حج کی توفیق عطا فرمائی۔ اس کے ساتھ مدینہ منورہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہاں سے متحدہ امارات کے سفر پر روانہ ہوا۔ دوبئ، ابوظبی، شارجہ، العین اور رأس الخیمہ جانا ہوا۔ قطر ایک ہفتہ قیام کیا، پھر بحرین گیا۔ چار پانچ روز وہاں رہا۔ وہیں سے واپسی ہوئی۔ اس سفر کی کوئی روداد قلم بند نہ ہوسکی۔

۱۹۹۷ء میں اللہ تعالیٰ نے دوبارہ حج کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔ اب کی بار اہلیہ ساتھ تھیں۔ اس مبارک سفر کی تفصیل تحقیقات اسلامی جولائی تا ستمبر ۹۷ء کے شمارہ میں شائع ہوئی۔ اس میں رودادِ سفر کے ساتھ حج کی تاریخ،

اس کے مقصد اور معنویت پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ ضمناً حج کا طریقہ اور اس کے ضروری احکام و مسائل بھی بیان ہوئے تھے۔ بعض دوستوں نے ان مضامین کو بہ نظر استحسان دیکھا۔ ان میں جذبات کی گرمی محسوس کی اور کچھ نئی باتیں انھیں ملیں۔ اب ان مضامین کو تحقیقات اسلامی کی فائل سے نکال کر مستقل کتاب کی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔ اس سے ان کے حصول اور مطالعہ میں آسانی ہوگی۔ اس کی اشاعت سے پہلے کتابت و طباعت کی غلطیاں ہی ٹھیک نہیں کی گئی ہیں، بلکہ اس میں حذف و اضافہ بھی کیا گیا ہے، جس سے توقع ہے کہ اس کی افادیت بڑھ گئی ہوگی۔ دعا ہے کہ یہ حقیر سی کوشش نتیجہ خیز ہو۔ اس کے ذریعہ حج کی ترغیب وتشویق پیدا ہو اور اس سے حج کے مقاصد کو سمجھنے میں مدد ملے۔

ان مضامین میں جن احباب اور دوستوں سے جہاں ملاقات ہوئی اور اس وقت وہ جو خدمت انجام دے رہے تھے اس کا ذکر ہے۔ اسے اسی وقت کی روداد سمجھنا چاہیے۔ اب ان میں سے بعض احباب دوسرے مقامات پر منتقل ہوگئے ہیں۔ بعض وطن واپس لوٹ آئے ہیں اور حسبِ حال ان کی مصروفیات بھی بدل گئی ہیں۔ آخر میں پھر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اوراق کو شرفِ قبولیت عطا کرے اور اس عاجز کے لیے انھیں ذخیرۂ آخرت بنا دے۔

جلال الدین

۲۸ر جنوری ۱۹۹۹ء

ایک ماہ سعودی عرب میں

سعودی عرب میں ہندستان کے جو افراد بسلسلۂ ملازمت مقیم ہیں ان کی تعداد ۴ لاکھ کے قریب بتائی جاتی ہے۔ ان میں یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور پروفیسرس بھی ہیں، ڈاکٹر اور انجینئر بھی ہیں، مزدور اور کاریگر اور ائمہ و موذنینِ مساجد بھی ہیں۔ اس طرح یہ افراد ہر طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور مختلف چھوٹی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

بعض دوستوں کی، جو عرصہ سے سعودی عرب میں مقیم ہیں اور مجھ سے محبت کرتے ہیں، خواہش تھی کہ میں سعودی عرب آؤں اور کچھ وقت ان کے ساتھ گزاروں۔ گزشتہ سال اس کی انھوں نے باقاعدہ دعوت دی تھی، لیکن میں اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہ جاسکا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سال اس کا موقع عنایت فرمایا۔

جدّہ پہنچے

۱۵ فروری ۱۹۹۰ء کو $1\frac{1}{2}$ بجے ایر انڈیا سے روانگی تھی۔ سفر سے پہلے ہی میں عمرہ کا ارادہ کرچکا تھا۔ حسنِ اتفاق ہے کہ اسی جہاز سے رفیق مکرم جناب صالح بن علی شبیبی صاحب بھی عمرہ پر جارہے تھے۔ ان کی وجہ سے سفر میں بڑی سہولت رہی۔ ہم دونوں نے دہلی ایر پورٹ ہی پر احرام باندھ لیا۔ وہیں ظہر اور

عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ ½ ٦ بجے جدّہ ایر پورٹ پہنچے تو مغرب کا وقت تھا۔ مغرب کی نماز ایر پورٹ پر پڑھی۔ کسٹم وغیرہ سے فارغ ہوکر ۸ ربجے کے قریب باہر نکلے تو برادرم جلیل اصغر صاحب، جناب محمد عبد العظیم صاحب، عبدالقیوم صاحب اور سعید شبیبی صاحب وغیرہ موجود تھے۔ دوستوں کے ساتھ رات جدہ میں گزاری۔

رخ جانبِ حرم ہے

بعد نمازِ فجر مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ہم دونوں کے ساتھ محترم محمد عبد العظیم صاحب، سعید شبیبی صاحب اور محترم مجیب الرحمٰن صاحب کے نوجوان صاحب زادے نے بھی عمرہ کا احرام باندھ لیا۔ محمد عبد العظیم صاحب 'الخبر' سے اسی ارادے سے آئے تھے کہ وہ اس ناچیز کے ساتھ عمرہ کریں گے۔ اِس کے لیے میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔

١٦ رفروری بہ روز جمعہ یہ مختصر قافلہ سعید شبیبی صاحب کی گاڑی میں جدّہ سے روانہ ہوا۔ راستہ بھر سوچتا رہا کہ جس جگہ دنیا اخلاص کی دولت لے جاتی ہے وہاں ایک گنہ گار گناہوں کی پوٹ لے کر حاضر ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں ہے۔ وہ میرے گناہوں کو نہیں اپنے رحم وکرم کو دیکھے گا:

اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُکَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِنَا وَ رَحْمَتُکَ اَرْجٰی عِنْدَنَا مِنْ اَعْمَالِنَا	اے اللہ تیری مغفرت ہمارے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے اور اپنے اعمال سے زیادہ تیری رحمت سے ہمیں توقع ہے۔

اسی احساس کے ساتھ سفر کٹتا رہا۔ کار سو کلو میٹر کی رفتار سے چلتی رہی۔ تھوڑی دیر میں نگاہوں کے سامنے مکہ مکرمہ تھا۔ وہ سر زمین تھی، جسے ابراہیم خلیلؑ

نے آباد کیا، جہاں اسمٰعیلؑ ذبیح اللہ نے زندگی گزاری، جس کی گود میں دونوں جہاں کے سردار محمد عربیؐ نے، جن کے نام پر ہزار بار بھی قربان ہوجاؤں تو کم ہے، پرورش پائی۔ ﷺ۔ وہ مکہ جو ہر دور میں خدا کے بے شمار بندوں کے دلوں کا مرکز رہا، جو منبعِ نور ہے، جہاں سے دنیا کو ہدایت کی روشنی اور نجات کا راستہ ملا۔

خدا کا گھر سامنے ہے

اب حرم کے قریب ہماری گاڑی رک گئی۔ وہ حرم جس کی عظمت اور تقدس کے تصور سے دل خالی ہوتو ایمان کی دولت چھن جائے، جس کے چپہ چپہ پر خدا کے بے شمار بندوں نے اپنی پیشانیاں رگڑی ہیں اور جس کا ذرّہ ذرّہ ان کے آنسوؤں کا سمندر پیے ہوئے ہے، جہاں قدم قدم پر خدا کی یاد کی خوش بو پھوٹتی ہے، جہاں ذکر وفکر کے زم زمے ہر طرف گونجتے ہیں، جہاں ہر سوُ رحمت کے بادل منڈلاتے ہیں، جہاں ہر آن عنایات کی بارش ہوتی ہے، اسی حرم کے سامنے، ہاں! اسی مقدس حرم کے سامنے چند لمحے رک کر سوچ رہا تھا کہ خدا کی رحمت کو گناہ گار ہاتھوں سے کیسے سمیٹوں اور اس بہار سے اپنا دامن کیسے بھروں؟

اب ہم باب السلام سے خانہ کعبہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دل بے اختیار خدا کے گھر کی طرف کھنچ رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ دوڑ کر چمٹ جاؤں۔ اپنے ہاتھ دیکھے، دونوں ہاتھ خالی تھے۔ کوئی سوغات نہ تھی، لیکن یہ جانتا تھا کہ جس دربار میں جا رہا ہوں وہ غنی اور بے نیاز ہے۔ اسے کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔ وہ بڑا داتا ہے۔ وہ کسی کو خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے شرماتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اللہ کے ہزاروں بندے پروانہ وار اس کے گھر کے طواف میں، تسبیح وتحمید میں، دعاؤں میں، نماز میں اور آہ و زاری میں لگے ہوئے ہیں۔ خیال آیا

کہ کیا عجب کہ ان نیک بندوں کے ساتھ اس گنہ گار کی بھی مغفرت ہو جائے۔ هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ (مسند احمد) (یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا)

عمرہ ادا کیا

خدا کے گھر کا طواف کیا۔ محمد عبد العظیم صاحب کی کوشش سے حجر اسود کو بوسہ دینے کی سعادت ملی۔ مقامِ ابراہیم پر نماز پڑھی، دعا کی۔ اپنے لیے، بیوی بچوں کے لیے، بوڑھی ماں کے لیے اور دوستوں کے لیے۔ یہی تمنا ہے کہ زندگی اس کے دین کی خدمت میں گزر جائے۔ اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی، بالوں کا قصر کرایا، جی بھر کے زم زم سے سیراب ہوا۔ مسجدِ حرام میں ہی جمعہ ادا کیا۔

مقاماتِ مقدسہ کی زیارت

جمعہ کے لیے جلیل اصغر صاحب دو ایک ساتھیوں کے ساتھ حرم پہنچ گئے۔ نماز کے بعد کھانے سے فارغ ہوئے۔ اب یہ قافلہ دو گاڑیوں میں مقدس مقامات کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ منیٰ دیکھا، جمرات دیکھے، عرفات دیکھا، جبلِ رحمت پر پہنچے۔ دوستوں نے دعا کے لیے کہا۔ دعا سے پہلے میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا تھا کہ وہ حج کا اعلان کر دیں۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اے اللہ! میرے چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں، دُور دُور تک کوئی آبادی نہیں ہے، ان پہاڑوں کے بیچ میں میری آواز کہاں تک پہنچے گی اور کون سنے گا؟ حکم ہوا تم اعلان کر دو، آواز کا پہنچانا ہمارا کام ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حکم کی تعمیل کی اور حج کا

اعلان کردیا۔ پہاڑ جھک گئے، تاکہ یہ آواز دُور دُور تک پہنچے۔ چناں چہ زمین کے گوشے گوشے میں یہ آواز پہنچی، حتیٰ کہ ماؤں کے پیٹوں میں بچوں نے یہ آواز سنی۔

ان روایات کا پایہ شاید کچھ زیادہ قوی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ بعید بھی نہیں ہے کہ واقعتاً حضرت ابراہیمؑ کی آواز پوری دنیا میں گونج گئی ہو۔ یہ اس بات کی تعبیر بھی ہوسکتی ہے کہ دنیا کے ہر گوشہ میں یہ آواز پہنچے گی۔ آنے والی نسلوں میں اس کا چرچا ہوگا اور اطرافِ عالم سے لوگ خانۂ کعبہ کی زیارت کے لیے آئیں گے۔ چناں چہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو آواز بلند کی تھی وہ پوری دنیا میں سنی جا رہی ہے اور ہر طرف سے حتیٰ کہ کمیونسٹ بلاک سے بھی لوگ جوق در جوق اللہ اکبر کی صدا بلند کرتے ہوئے خدا کے اس گھر کی طرف آ رہے ہیں۔ اسلام کی سربلندی کا بھی یہی حال ہے۔ اس کی آواز بلند ہوتو بہ ظاہر اسے روکنے کے لیے پہاڑ کھڑے ہوں گے، لیکن بالآخر اللہ نے چاہا تو وہ ہر جگہ سنی جائے گی۔ آج اس کے اثرات، ہوسکتا ہے، فوری طور پر محسوس نہ کیے جائیں، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ دنیا اس کی طرف لپکے گی اور قبول بھی کرے گی۔ شرط صرف اخلاص اور حکمت کے ساتھ جدو جہد کی ہے۔ اس کے بعد ہم سب نے مل کر دعائیں کیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

شب میں مکہ مکرمہ سے جدہ واپسی ہوئی۔ جدہ میں دو تین دن قیام رہا۔ اس میں بے تکلف ملاقاتیں رہتی تھیں، دینی، علمی اور فقہی مسائل پر گفتگو ہوتی تھی۔ دوستوں کی فرمائش پر بعض اوقات قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر پیش کرنے کی سعادت مل جاتی تھی۔ قیام برادرم جلیل اصغر صاحب اور جناب مجیب الرحمٰن صاحب کے ہاں رہا۔ دونوں حضرات کے مکان ایک ہی

عمارت میں قریب قریب ہیں۔ دونوں نے خوب جی بھر کر خاطر تواضع کی۔ اللہ جزائے خیر دے۔

اگلی منزل مدینہ منورہ ہے

خدا کا شکر ہے کہ سعودی عرب میں ہر جگہ محبت کرنے اور چاہنے والے موجود ہیں۔ پروگرام اس طرح بنایا گیا تھا کہ ایک مہینہ میں تمام اہم مقامات کا دورہ ہوجائے، تاکہ سب ہی مقامات کے دوستوں سے ملاقات ہوسکے۔

اب مدینہ منورہ روانگی تھی۔ صبح سویرے جدہ سے روانہ ہوا۔ ایر پورٹ پر اختر حسین صاحب موجود تھے۔ ان کا تعلق کرناٹک سے ہے اور انجینئر ہیں۔ وہ اپنے گھر لے گئے۔ سامان رکھا اور ناشتہ سے فارغ ہوئے۔

ان آنکھوں نے مسجدِ نبوی دیکھی

اختر صاحب سے میں نے کہا کہ سب سے پہلا کام مسجد نبویؐ میں حاضری ہے۔ انھوں نے مسجد نبوی تک راہ نمائی کی اور اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے۔ مسجد نبوی کے نظارہ سے آنکھیں پھٹی جارہی تھیں۔ سنا ہے یہاں جنیدؒ وبا یزیدؒ جیسے اللہ والوں کی زبان بھی بند ہوجاتی ہے۔ میری زبان بھی کھل نہیں رہی تھی۔ ادب مانع تھا۔ ذہن اس کی ابتدائی تاریخ میں گم تھا۔ ایک ایک کرکے اس کے نقوش صفحۂ ذہن پر ابھرنے لگے۔ یہی مسجد تعلیم وتربیت کا مرکز تھی، یہاں ذکر و فکر اور تعلیم وتدریس کے حلقے قائم تھے۔ یہاں مقدمات کے فیصلے ہوتے تھے، یہاں فوجوں کی تنظیم ہوتی تھی، یہاں مالِ غنیمت تقسیم ہوتا تھا۔ ہاں! یہیں سے دنیا کی قسمت کا فیصلہ ہوا، تاریخ کا رخ موڑا گیا، قیصر وکسریٰ کے تخت الٹے گئے۔ یہیں سے دنیا نے دیکھا کہ دین کے ساتھ سیاست، قوت و اقتدار کے

ساتھ عدل و انصاف اور زہد و تقویٰ کے ساتھ زیرکی اور دانائی جمع ہوتی ہے۔ سینہ میں جذبات کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ اس کا رخ کبھی ایک طرف ہوتا اور کبھی دوسری طرف۔ کبھی اپنی اس خوش بختی پر نازاں کہ آج اس جگہ پہنچادیا گیا ہوں جہاں کی ایک نماز ہزار نمازوں سے افضل اور برتر ہے، جہاں وہ ہستی آرام فرما ہے، جس کے نام سے ہمارا وجود ہے، جس سے نسبت سب سے بڑا شرف اور جس کے غلاموں کا غلام ہونا سب سے بڑی سعادت ہے۔ کبھی یہ احساس کہ اس دربار میں تو پاک صاف دل کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے، جو دل آلائشوں سے ناپاک ہو اسے کیسے پیش کیا جائے؟ یہاں ٹوٹے ہوئے دل کی قیمت ہے، جو دل پتھر کی طرح سخت ہو وہ کہیں ناقابل قبول نہ ٹھہرے؟ پھر یہ احساس جاگ اٹھا کہ دنیا کے سب سے بڑے مزکّی کی یہ آرام گاہ ہے۔ یہیں سے دنیا نے تزکیہ و طہارت کی بہار دیکھی ہے۔ مایوسی کفر ہے۔ اے خدا! تزکیہ سے محروم، لیکن تزکیہ کی طلب میں تیرا ایک گناہ گار بندہ یہاں دست بستہ سر جھکائے کھڑا ہے۔ اے اللہ! اس کی طلب میں خلوص عطا فرما اور اسے اس سے زیادہ نواز دے جتنا وہ چاہتا ہے یا چاہ سکتا ہے۔ اس کی تمنائیں محدود، لیکن تیرا کرم بے پایاں۔ تو اپنے شایانِ شان اس پر کرم فرما۔

میں ظہر کی نماز سے کافی پہلے مسجد نبوی پہنچ چکا تھا، لیکن اس کے باوجود مسجد بھری ہوئی تھی۔ ہزارہا افراد نماز، تلاوت اور ذکر و اذکار میں مشغول تھے۔ نمازِ ظہر سے فارغ ہوا تو اطہر حسین صاحب مل گئے اور گھر لے گئے۔ عصر کی نماز ہم دونوں نے مسجد نبوی ہی میں ادا کی۔ پہلے سے طے تھا کہ فاضل دوست ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی حرم میں ملیں گے۔ انھیں دیکھ کر طبیعت باغ باغ

ہوگئی۔ مسیح الرحمٰن صاحب بھی ساتھ تھے۔ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن صاحب اعظمی عمری مدنی کے ہاں ہم سب چائے پر مدعو تھے۔ ان کے گھر پہنچ کر پرتکلف چائے پی۔ وہیں معروف محقق ڈاکٹر ف۔عبدالرحیم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ادب عربی موصوف کا خاص موضوع ہے ابھی حال میں جوالیقی کی 'المعرب' کو ایڈٹ کیاہے اور وہ شائع ہوچکی ہے۔ انھوں نے اس کا ایک نسخہ ہدیہ فرمایا۔ مغرب کی نماز کے لیے ہم پھر مسجد نبوی پہنچ گئے۔ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن بھی ساتھ تھے۔ نماز کے بعد 'روضة من رياض الجنة' میں دو رکعت کے لیے بہ مشکل جگہ ملی۔ روضۂ مبارک کے پاس پہنچ کر درود وسلام پڑھا اور آنسو پونچھتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ رات میں اختر حسین صاحب کے گھر کچھ دوست احباب جمع تھے۔ اچھی صحبت رہی۔

مقاماتِ مقدسہ کی زیارت

دوسرے روز مسیح الرحمٰن صاحب اور ایک دوست کے ساتھ مدینہ منورہ کے مقدس مقامات کی زیارت کی۔ مسجد قبا اور مسجد ابوبکرؓ میں نماز پڑھی۔ ۱۱½ بجے کے قریب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے قریب طے شدہ پروگرام کے تحت ایک مکتبہ میں پہنچے۔ وہاں ڈاکٹر اجمل اصلاحی صاحب انتظار کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ دو ایک مکتبے دیکھے۔ اجمل صاحب کتابوں کے عاشق ہیں۔ انھیں عربی کی جدید مطبوعات اور قدیم کتابوں کے نئے ایڈیشنوں کے بارے میں بڑی معلومات رہتی ہیں۔ گھر پر اچھا خاصا کتب خانہ جمع کر رکھا ہے۔ دوپہر کا کھانا ان ہی کے گھر تھا۔

ریاض روانگی

مدینہ منورہ کا قیام بہت مختصر رہا۔ جی چاہ رہا تھا کہ کچھ دن اور قیام ہو۔ دوستوں کا بھی اصرار تھا۔ لیکن پروگرام کے تحت مجھے شام تک ریاض پہنچنا تھا۔ ڈاکٹر محمد اجمل صاحب، مسیح الرحمٰن صاحب، اختر حسین صاحب اور ایک دوست نے بعد عصر مدینہ ایر پورٹ سے رخصت کیا۔ مغرب کے وقت ریاض پہنچا۔ ایر پورٹ پر سید اعجاز احمد ترمذی موجود تھے۔ ان سے عزیزوں کے سے تعلقات ہیں۔ اپنے گھر لے گئے۔ چائے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد رفیقِ مکرم پروفیسر عبد الحق انصاری کے ہاں پہنچ گیا۔ وہیں قیام تھا۔ عبد الحق صاحب کا گھر اپنا گھر تھا۔ بڑا آرام رہا۔ ان کی شخصیت میں علمی سنجیدگی کے ساتھ خلوص اور محبت کی کارفرمائی بھی ہے۔ ان کے دوست احباب ان سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ اپنی مصروفیات کے باوجود انھوں نے میرے ساتھ کافی وقت صرف کیا، جس کے لیے شکر گزار ہوں۔ ریاض میں تین دن قیام رہا۔ اس دوران میں رابطۂ عالم اسلامی کے ہال میں ایک تقریر بھی ہوئی۔ موضوع تھا: 'ہندستان میں تحریکِ اسلامی کی رفتار کار'۔ ہال بھرا ہوا تھا۔ سامعین نے بہ ظاہر توجہ سے سنا۔

منطقۂ شرقیہ

اب مجھے سعودی عرب کے منطقۂ شرقیہ تک پہنچنا تھا۔ اس کی پہلی منزل ظہران تھی۔ ریاض ایر پورٹ سے حیدر آباد کے عبد العظیم صاحب نے رخصت کیا۔ عبد العظیم صاحب بڑی متحرک اور فعال شخصیت کے مالک ہیں۔ پہلے فوج میں تھے، لیکن اسلامی لٹریچر سے متاثر ہوکر اس سے استعفیٰ دے دیا۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اب سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ ان کی پانچ سالہ بچی کو

دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ اس کی معصوم زبان سے عربی میں مختلف دعائیں سنیں۔ اسلام کے بارے میں اسے اتنی معلومات تھیں کہ اس عمر کے بچوں میں مشکل ہی سے ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ اسے خوش و خرم رکھے اور دین و دنیا میں بامراد کرے۔

ظہران ایرپورٹ پر جناب رضوان اللہ خاں صاحب اور عابد سہیل صاحب موجود تھے۔ رضوان صاحب ظہران یونیورسٹی (U.P.M) میں استاذ ہیں۔ ان سے اس وقت سے تعلقات ہیں جب وہ علی گڑھ میں زیرِ تعلیم تھے۔ عابد سہیل صاحب ریسرچ کر رہے ہیں۔ سیدھے ہم لوگ رضوان صاحب کے گھر پہنچے۔ ایک صاحب کے مکان پر عصر کی نماز کے بعد خواتین کو دین کی کچھ ضروری باتیں بتائی گئیں۔ یونیورسٹی کی مسجد میں بعد عشاء خطاب رہا۔ اس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے تیئیس سالہ دورِ نبوت میں دعوت اسلامی کا کام کس طرح انجام دیا؟ رات کے کھانے پر بہت سے دوست احباب جمع تھے۔ بڑی خوش گوار مجلس رہی۔ پروفیسر زغلول النجار ظہران یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ ان سے مسجد ہی میں ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر عبد الحق فون پر راقم کا تعارف کرا چکے تھے۔ بڑی گرم جوشی اور محبت سے ملے۔ ان کے گھر چائے بھی پی۔ بڑے خدا ترس اور اللہ والے بزرگ ہیں۔ دو ایک ملاقات ہی میں اپنی شرافت اور نیک نفسی کا نقش ذہن پر بٹھا دیا۔

منطقہ شرقیہ میں ظہران کے علاوہ ارامکو کیمپ، الخبر، دمام، راس تنورہ، ابقیق اور تحلیہ جانے کا اتفاق ہوا۔ تحلیہ میں سمندر کے پانی کو صاف کرنے اور پینے کے قابل بنانے کا غالباً دنیا کا سب سے بڑا پلانٹ ہے۔ دور ہی سے اسے دیکھ سکا۔ ہر جگہ دوستوں سے بے پناہ محبت ملی۔ راس تنورہ میں ایک

اسکول میں پروگرام تھا۔ اس ایک ہفتہ کے دورہ میں دمّام مرکز بنا رہا۔ وہیں سے مختلف مقامات پر آمد و رفت رہتی تھی۔ دمّام کے پورے قیام میں احمد عبد العظیم صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی احمد عبد العلیم صاحب کا مہمان رہا۔ ان کے خلوص، محبت اور خاطر تواضع کو فراموش نہیں کرسکتا۔

ریاض دوبارہ آمد

ایک ہفتہ قیام کے بعد ۲/مارچ ۹۰ء کو دوبارہ ریاض واپسی ہوئی۔ واپسی سے پہلے محترم عبد العزیز صاحب اور جناب مجیب صاحب کے ساتھ بحرین کا پل دیکھا۔ سمندر پر اتنا لمبا پل پہلی مرتبہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ان ہی دوستوں نے رخصت کیا۔ ریاض ایر پورٹ پر لینے کے لیے محترم دوست جناب حسین ذوالقرنین صاحب موجود تھے۔ ان کے گھر پہنچا۔ وہ جس فلیٹ میں رہتے ہیں اس کی پہلی منزل میں عزیزم امین الہدیٰ فلاحی رہتے ہیں۔ اب کی بار قیام ان کے گھر رہا۔ ان سے تعلق علی گڑھ کا ہے۔ بعد عشاء کسی نہ کسی دوست کے ہاں کھانے کا پروگرام ہوتا۔ اس میں بہت سے نئے پرانے دوستوں سے ملاقات ہوجاتی۔ خدا کا شکر ہے کوئی مجلس اللہ کے ذکر سے خالی نہیں ہوتی تھی۔

ریاض میں ایک طویل عرصہ کے بعد ڈاکٹر احمد تو تونجی سے ملاقات ہوئی۔ بڑی گرم جوشی اور محبت سے ملے۔ ادارہ تحقیق علی گڑھ کا ذکر آیا تو کہا: اس وقت کرنے کا بڑا کام یہی ہے۔ اس سے ذہن کی گرہیں کھلیں گی اور تحریکوں کو غذا ملتی رہے گی۔ چلتے وقت بلوغ المرام کی شرح اور ایک گھڑی تحفہ میں دی۔ جزاہ اللّٰہ خیر الجزاء۔

شیخ عبد العزیز بن باز حفظہ اللہ سے ملاقات کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ ایک رفیق کے ساتھ دار الافتاء پہنچا۔ لیکن شیخ کی پیشگی مصروفیات کی وجہ سے ملاقات نہ ہوسکی۔ اتنا موقع نہ تھا کہ ملاقات کی دوبارہ کوشش کی جاتی۔ برادرم ابرار احمد صاحب اصلاحی کے ساتھ مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیہ جانے کا اتفاق ہوا۔ اس کے ڈائرکٹر جنرل الدکتور زید الحسین حفظہ اللہ سے ملاقات ہوئی۔ یہ مرکز کئی منزلہ شاندار عمارت میں قائم ہے۔ ان کے ایماء پر کارکنوں نے مرکز کا معائنہ کرایا۔ کتابوں کو تلاش کرنے، ان کو نکالنے، انھیں اپنی جگہ رکھنے کا سارا کام کمپیوٹر سے ہوتا ہے۔ مخطوطات کو محفوظ کرنے اور جلد بندی جیسے کاموں کے لیے بھی جدید ترین مشینیں نصب ہیں۔ اس طرح کا نظم یقیناً مغربی ملکوں میں ہوگا، لیکن کسی ترقی پذیر ملک میں اس کا وجود شاید ہی ہو۔ اس ادارہ سے ریسرچ اور تحقیق کا کام کرنے والوں کی علمی مدد بھی کی جاتی ہے۔ اگر کوئی محقق بعض متعین موضوعات پر یہ جاننا چاہے کہ اس پر اب تک کیا کام ہوا ہے، آسانی سے معلوم کرسکتا ہے۔ ادارہ سے اس طرح کی معلومات اسے گھر بیٹھے فراہم ہوسکتی ہیں۔ مخطوطات کی تفصیل بھی معلوم کی جاسکتی ہے۔

اب کی بار جن افراد کو فیصل ایوارڈ ملا ان میں پروفیسر خورشید احمد اور پروفیسر محمد عمر چھاپرا بھی ہیں۔ ریاض میں قیام کے دوران ہی میں ان حضرات کے ایوارڈ پانے کی تقریب تھی۔ دونوں حضرات سے غائبانہ تعارف برسوں سے تھا۔ دو ایک نشستوں میں ان سے ملاقات اور بات چیت کا موقع ملا۔ بڑی جاذب اور سنجیدہ شخصیتیں ہیں۔ پروفیسر خورشید احمد نے بین الاقوامی سطح پر جو نمایاں اسلامی خدمات انجام دی ہیں، یہ ایوارڈ اسی کا اعتراف تھا۔ پروفیسر محمد عمر

چھاپرا اسلامی معاشیات کے ماہر ہیں۔ انگریزی میں ان کی متعدد تصانیف شائع ہوچکی ہیں۔ انھیں سعودی عرب کی شہریت بھی حاصل ہے۔

ڈاکٹر سمیر عبد الحمید ابراہیم سے بعض دوسرے اصحابِ علم کے ساتھ، ڈاکٹر عبد الحق انصاری کے گھر رات کے کھانے پر ملاقات ہوئی۔ بڑی باغ و بہار شخصیت ہے۔ مصری ہیں، لیکن پاکستان میں اردو کی باقاعدہ تعلیم پائی ہے۔ ہندستان کا بھی دورہ کرچکے ہیں۔ مصر میں اردو کے استاذ رہ چکے ہیں۔ اس وقت جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ میں پروفیسر ہیں۔ ان کے قلم سے متعدد اردو کتابوں کے ترجمے نکل چکے ہیں۔ میری کتاب ''مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ'' دیکھی تو کہا کہ اس کا ایک نسخہ بھجوادو، میں اس کا ترجمہ کروں گا۔ چناں چہ کتاب بھیج دی گئی ہے۔

مجھے عربی کے اہم مآخذ کی تلاش رہتی ہے۔ جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض نے متعدد مآخذ شائع کیے ہیں۔ ڈاکٹر عبد الحق انصاری کے ساتھ مکتبہ کے سکریٹری اور انچارج سے ملاقات ہوئی۔ ادارہ کی طرف سے کتابوں کی درخواست دی گئی تو انھوں نے بہ خوشی فوراً اس کی منظوری دے دی۔ جزاهم الله خير الجزاء۔

ریاض میں قیام کے آخری روز WAMY کی مسجد میں میری تقریر 'اسلام میں عورت کی سیاسی وسماجی خدمات، کے موضوع پر ہوئی۔ چھوٹی سی مسجد حاضرین سے بھری ہوئی تھی۔ الحمد للہ تقریر توجہ سے سنی گئی۔

واپسی بہ راہِ جدّہ

ریاض میں چھ سات روز بڑی مصروفیت کے گزرے۔ یہاں سے جدہ واپسی ہوئی۔ برادرم ابرار احمد صاحب، برادرم حسین ذوالقرنین صاحب اور

عزیزم سید اعجاز احمد ترمذی نے رخصت کیا۔ جدہ ایر پورٹ پر برادرم جلیل اصغر صاحب موجود تھے۔ رفیق مکرم جناب احسن مستقیمی صاحب نے بھی زحمت کی۔ وہ عمرہ کے لیے آئے ہوئے تھے۔

طوافِ وداع

جدّہ میں ایک ہفتہ قیام رہا۔ اس دوران میں عزیز دوست ڈاکٹر اقبال مسعود ندوی کی دعوت پر دوبارہ مکہ مکرمہ حاضری کی سعادت ملی۔ رات کے گیارہ بجے جلیل اصغر صاحب کے ساتھ طواف کیا۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے اس گھر میں وہ کشش رکھ دی ہے کہ رات ہو کہ دن، کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا جب کہ اس کے چاروں طرف لوگ پروانہ وار طواف نہ کر رہے ہوں۔ رات میں غالباً خواتین کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے خواہش کے باوجود حجر اسود کو بوسہ دینا آسان نہ تھا۔ طوافِ وداع کیا، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ بار بار اس گھر کی حاضری کی سعادت عطا فرمائے اور واپسی ہوگئی۔

طائف کا سفر

اسی مدت میں محترم ڈاکٹر ظفر اقدس جیلانی کی دعوت پر دو دن کے لیے طائف بھی جانا ہوا۔ گھوم پھر کر دیکھا۔ وہ جگہ بھی دیکھی جہاں دونوں جہاں کے سردار رسولِ خدا ﷺ اس وقت بے ہوش ہوگئے تھے جب کہ طائف کے سرداروں کے اشارے پر غنڈوں نے آپؐ کو لہولہان کر دیا تھا اور ہوش میں آنے کے بعد رحمتِ عالمؐ نے ان کی ہدایت کی دعا کی تھی۔ اس جگہ عثمانی عہد کی بنائی ہوئی ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔ طائف میں مسجدِ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ میں نماز پڑھنے کی سعادت ملی۔ قبیلۂ بنو سعد یہاں سے ستّر اسّی کلو میٹر

کے فاصلہ پر آباد ہے۔ اسی قبیلہ سے دائی حلیمہ کا تعلق تھا۔ وہاں جانے کا ارادہ تھا، لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے نہ جاسکا۔ طائف ٹھنڈا ہے اور سعودی عرب کے لحاظ سے سرسبز و شاداب بھی۔ شب میں ڈاکٹر ظفر اقدس جیلانی صاحب کے مکان پر سورۂ نساء کی بعض آیات کا ترجمہ اور تفسیر پیش کرنے کا موقع ملا۔ صبح جدّہ بہ ذریعہ کار واپسی ہوئی۔

جدہ میں رفیق محترم ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کے ساتھ ڈاکٹر عبد اللہ نصیف سے تھوڑی دیر کے لیے ملاقات ہوئی۔ ان کی خدمت میں میں نے اپنی دو کتابیں 'معروف و منکر' کا عربی ترجمہ 'الامر بالمعروف و النھی عن المنکر' اور 'عورت اور اسلام' کا انگریزی ترجمہ Woman and Islam پیش کیں۔ رفیق محترم ہی کے ساتھ المجمع الفقہی کے افتتاحی اجلاس میں شرکت ہوئی۔

ادارہ کے لیے عربی کی اہم کتابوں کا ذکر آیا تو کئی ایک دوست ان کی خریداری کے لیے تیار ہوگئے۔ میرے قدیم بے تکلف دوست جناب سید حامد عبد الرحمٰن الکاف صاحب نے جناب عمر بن عبد اللہ بفلح صاحب سے اس کا ذکر کیا تو موصوف نے کئی ہزار روپیہ کی کتابوں کا نظم کرادیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔

مدینہ منورہ میں کتابوں کا ذکر آیا تو ایک نوجوان دوست نے جو حیدرآباد سے تعلق رکھتے ہیں اور اچھے خطاط ہیں ــــ افسوس کہ میں ان کا نام بھول گیا ــــ تفسیر قرطبی خرید کر دے دی۔

اس سفر میں کس کس کا نام لیا جائے۔ دوستوں سے اس قدر خلوص اور محبت ملا کہ عرصہ تک اس کی یاد رہے گی۔ اس کے انتظام میں برادرم ابرار احمد اصلاحی اور برادرم جلیل اصغر صاحب کی کوششوں کا بڑا دخل ہے۔ انھوں نے

جس طرح اس کے لیے دوڑ دھوپ کی اور وقت دیا اور پروگرام کو منظّم کیا اس کے لیے بے حد شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کے اجر وثواب سے نوازے۔

علی گڑھ لوٹ آئے

۱۶؍مارچ ۹۰ء کو برادرم احسن مستقیمی صاحب کے ساتھ واپسی ہوئی۔ جدہ ایر پورٹ پر جلیل اصغر صاحب، مجیب الرحمٰن صاحب، عبد القیوم صاحب اور بعض دوسرے دوستوں نے رخصت کیا۔ رات میں آٹھ بجے کے بعد دہلی ایر پورٹ سے باہر نکلے۔ تقریباً ۱۲؍بجے شب میں علی گڑھ اپنے گھر پہنچا۔

سفرِ حج

اللہ تعالیٰ نے پانچ سال قبل ۱۹۹۳ء/ ۱۴۱۳ھ میں حج کی سعادت سے نوازا تھا۔ اس کے بعد ہی سے میری اہلیہ بھی اس خواہش اور تمنا کا اظہار کرنے لگیں کہ وہ بھی اس سعادت سے بہرہ ور ہونا چاہتی ہیں۔ ادھر ان پر حج فرض بھی ہوگیا تو ان کا اصرار بڑھنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سال ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۷ھ میں اس کی صورت پیدا فرمائی۔

حج کی فرضیت اور فضیلت

حج کی سعادت بہت بڑی سعادت ہے۔ ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ یہ ایک جامع عبادت ہے۔ اس میں نماز ہے، ذکر و فکر ہے، تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہلیل ہے، طواف اور سعی ہے، خدا کی راہ میں تگ و دو اور قربانی ہے، اس میں جسمانی محنت و مشقت کے ساتھ انفاقِ مال بھی ہے۔ یہ مجموعہ ہے بہت سی عبادات کا۔ یہ ایک طرح کا جہاد ہے۔ بخاری کی حدیث ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا: جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ (تم عورتوں کا جہاد حج ہے) ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: نِعْمَ الْجِهَادُ الْحَجُّ (تمھارے لیے بہترین جہاد حج ہے)۔

(بخاری، کتاب الجهاد، باب جهاد النساء)

ایک مسلمان جو عاقل و بالغ ہے، آزاد ہے، تندرست ہے، زاد و راحلہ اور مصارفِ سفر برداشت کرسکتا ہے، عورت کے ساتھ محرم بھی ہے تو حج فرض ہوجاتا ہے۔ اس میں تاخیر مناسب نہیں ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ (آل عمران:۹۷)

لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔

حج کے حدود و آداب

حج میں جن حدود و آداب کا خیال رکھنا چاہیے انھیں قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَ اتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۝۱۹۷ (البقرۃ:۱۹۷)

حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں، جو شخص ان مقرر مہینوں میں حج کی نیت کرے اسے خبردار رہنا چاہیے کہ حج کے دوران میں اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بد عملی، کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو اور جو نیک کام تم کروگے وہ اللہ کے علم میں ہوگا۔ سفرِ حج کے لیے زادِ راہ ساتھ لیتے جاؤ اور سب سے بہتر زادِ راہ پرہیزگاری ہے۔ پس اے ہوش مندو! میری نافرمانی سے بچو۔

حج کی فضیلت رسولِ خدا ﷺ کی زبانی سنیے۔ ایک مومن کا دل آخرت کی کامیابی کے تصور سے خالی نہیں ہوسکتا۔ جنت اس کا مطلوب و مقصود ہے،

آپؐ نے حجِ مبرور کی جزا جنت قرار دی ہے۔ حج مبرور وہ حج ہے، جس میں پورے اخلاص کے ساتھ اس کے احکام انجام دیے جائیں اور وہ خدا کے ہاں مقبول ہوجائے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

العمرة الى العمرة كفّارة لما بينهما والحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة۔ (بخاری، کتاب العمرۃ، باب وجوب العمرۃ و فضلہا۔ مسلم، کتاب الحج، باب فضل الحج والعمرۃ)

ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کی کوتاہیوں کے لیے کفارہ بن جاتا ہے اور حج مبرور کی جزا بس جنت ہے۔

ایک اور روایت سنیے:

من حج هٰذا البيت فلم يرفث ولم يفسق رجع كما ولدته امه۔ (بخاری، کتاب الحصر، باب قول اللہ تعالیٰ فلا رفث۔ مسلم، کتاب الحج، باب فضل الحج والعمرۃ)

جس نے اس گھر کا حج کیا، جنسی تعلق اور گندی باتوں سے بچا رہا۔ فسق و فجور سے اجتناب کیا تو اس طرح گناہوں سے پاک و صاف ہوکر لوٹے گا، جیسے اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔

حج کا تعلق حضرت ابراہیمؑ سے

حج کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیاتِ مقدسہ کے بعض اہم واقعات سے ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے امتحان لیا اور وہ سخت آزمائشوں میں ڈالے گئے۔ جب وہ ان سب سے کام یاب گزر گئے تو دنیا کی امامت انھیں عطا کی گئی۔

وَ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾

(البقرۃ: ۱۲۴)

یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا تو اس نے کہا میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟ اس نے جواب دیا ''میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔''

اسی طرح کے ایک امتحان سے گزار کر حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں خانۂ کعبہ کی تعمیر ہوئی۔ وہ اہلِ ایمان کی عبادت کا مرکز بنا اور اس کے حج و زیارت کا حکم دیا گیا۔ حج کی تاریخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ سے جڑی ہوئی ہے۔ اس تاریخ کا ہر ورق اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی بندگی، اطاعت، تسلیم و رضا قربانی اور جاں نثاری کے قلم سے لکھا گیا ہے۔

حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کا مکہ میں آباد ہونا

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا کہ مکہ کی سرزمین توحید کا مرکز بنے، وہاں اس کا گھر تعمیر ہو اور وہ اس کے ماننے والوں کا قبلہ و کعبہ قرار پائے۔ مکہ سلسلۂ کوہ سے گھرا ہوا بے آب و گیاہ قطعۂ زمین تھا۔ یہ ایک وادیِ غیر ذی زرع تھی جہاں کسی ذی روح کی زندگی کا کوئی سامان نہ تھا۔ جہاں انسان کیا، جانوروں اور پرندوں کا بھی شاید گزر نہ ہوتا تھا۔ اسے آباد کرنے کے لیے باہر سے کسی قوم اور قبیلہ کو لا کر بسایا نہیں گیا، بلکہ حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ وہ اپنی بیوی

ہاجرہ اور اپنی اکلوتی اولاد (حضرت اسماعیلؑ) کو، جو ابھی ماں کی گود میں پرورش پا رہے تھے، جنھوں نے شیر خوارگی کا مرحلہ بھی طے نہیں کیا تھا، یہاں چھوڑ آئیں۔ اس حکم کی تعمیل کتنی دشوار رہی ہوگی؟ لیکن معاملہ حضرت ابراہیمؑ کا تھا۔ وہاں ہر محبت پر خدا کی محبت غالب آچکی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ ایک لمبا سفر طے کرکے شام سے اس وادیِ غیر ذی زرع میں پہنچے اور ایک سایہ دار جنگلی پیڑ کے نیچے چہیتی بیوی اور معصوم بچے کو پہنچادیا۔ کچھ کھجوریں اور پانی کی ایک چھاگل بیوی کے حوالے کی اور شام کی طرف واپس ہونے لگے۔ بیوی نے پوچھا کہ اس لق و دق بے آب و گیاہ میدان میں اور ان پہاڑوں کے درمیان کہاں چھوڑے جا رہے ہیں؟ یہاں کوئی انسان نظر آ رہا ہے اور نہ کھانے پینے اور رہائش کا کوئی نظم ہے۔ حضرت ابراہیمؑ پر سکوت طاری رہا۔ شاید فرطِ جذبات سے زبان آمادۂ سخن نہ رہی ہو۔ بیوی نے پھر پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے؟ جواب ملا: ہاں۔ اس پر اس اللہ کی بندی نے، جو حضرت ابراہیمؑ کی بیوی اور حضرت اسماعیلؑ کی ماں تھی، سرِ تسلیم خم کردیا اور کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان پر آپ نے یہ قدم اٹھایا ہے تو وہ ہماری حفاظت فرمائے گا اور ہمیں ہلاک نہ ہونے دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فی الواقع انھیں ہلاک ہونے نہ دیا اور ایسی حیاتِ دوام بخشی، جس پر ہزاروں لاکھوں زندگیاں قربان کی جاسکتی ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ واپس ہوتے ہوئے کچھ دور نکل آئے۔ بیوی نگاہوں سے اوجھل ہوچکی تھی۔ ننھی اور معصوم اولاد نامعلوم ماں کی گود میں نازو ادا دکھا رہی تھی یا فرشِ زمین کو اپنے وجود سے رونق بخش رہی تھی۔ قریب کی ایک

پہاڑی سے پلٹ کر دیکھا۔ جذبات ابل پڑے۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اور اللہ کا بندہ اللہ ہی سے عرض کرتا ہے:

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۷﴾

(ابراہیم:۳۷)

پروردگار میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ پروردگار، یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں۔ لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف راغب کردے اور انھیں کھانے کو پھل دے۔ شاید کہ یہ شکر گزار بنیں۔

یہ دعا ہوسکتا ہے اس وقت بھی کی ہو اور خانۂ کعبہ کی تعمیر کے بعد بھی کی ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کا یہ اقدام خدا کے حکم اور فیصلے کے تحت ہوا تھا۔ کسی دوسرے فردِ بشر کو اِس کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو اس طرح بے یار و مددگار کسی جنگل و بیابان کی نذر کردے اور موت کے منہ میں انھیں دھکیل دے، ورنہ وہ ان کی ہلاکت کا ذمہ دار اور سزا کا مستحق قرار پائے گا۔

ہاجرہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتی ہیں

حضرت ابراہیمؑ بیوی اور بچے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرکے روانہ ہوگئے۔ حضرت ہاجرہ کو بھوک لگتی تو چند کھجوریں کھا لیتیں اور جو پانی تھا اس سے پیاس بجھاتیں۔ حضرت اسماعیل بھوک پیاس سے رونے لگتے تو انھیں اپنا دودھ پلاتیں اور انھیں زندہ رکھنے کی کوشش کرتیں۔ ہاجرہ کی غذا کا توشہ جلد ہی

ختم ہوگیا۔ دودھ بھی خشک ہونے لگا۔ حضرت اسماعیلؑ بھوک سے بے تاب ہونے لگے۔ ماں سے یہ کیفیت دیکھی نہیں جارہی تھی۔ تڑپ اٹھیں۔ قریب میں صفا کی پہاڑی تھی۔ اوپر چڑھ کر چاروں طرف نظر دوڑانے لگیں کہ شاید کوئی آدم زاد نظر آئے یا پانی کا کوئی سراغ لگے۔ وہاں کوئی چیز نہ تھی۔ مایوس ہوکر اتر آئیں۔ کچھ فاصلے پر مروہ کی پہاڑی تھی۔ اس پر پہنچ گئیں۔ لیکن وہاں بھی مایوسی ہی ہاتھ آئی۔ اس طرح سات مرتبہ ان پہاڑیوں کے درمیان چکر کاٹتی رہیں اور درمیان میں بچے کو دیکھنے کے لیے بھی پہنچ جاتیں، جو بہ ظاہر موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا تھا۔

حضرت ہاجرہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر یہ تکلیف برداشت کرنا اور اس کے لیے یہ تڑپنا اور یہ دوڑنا اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آیا کہ وہ اس کی راہ میں تگ و دو کی علامت بن گیا اور حج وعمرہ کا جز قرار پایا۔ ایک خاتون کا عمل ہر مرد اور ہر عورت کے لیے اسوہ بن گیا۔

ان پہاڑیوں سے وابستہ اس تاریخ کو دورِ جاہلیت میں فراموش کردیا گیا تھا اور ان پر اساف اور نائلہ نام کے دو بت رکھ دیے گئے تھے۔ ان کے درمیان سعی بھی ہوتی تھی۔ اسلام کے آنے کے بعد مسلمانوں کے ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ اب ان کے درمیان سعی ہونی بھی چاہیے یا نہیں؟ بعض قبائل کے بت دوسرے تھے۔ وہ پہلے بھی ان کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے۔ ان کے اندر اس کے لیے آمادگی نہیں تھی۔ قرآن مجید نے، ان پہاڑیوں کے ساتھ جو جاہلی تصورات تھے، ان کی اصلاح کی۔ ان کی عظمت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس نے انھیں 'شعائر اللہ' قرار دیا اور کہا کہ یہ خدا کی بندگی

اور تسلیم و رضا کی نشانیاں ہیں۔ ان کی حرمت اور عظمت کا تقاضا ہے کہ حج اور عمرہ میں ان کے درمیان سعی کی جائے۔ اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں محسوس کی جانی چاہیے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ بخاری، کتاب الحج، باب وجوب الصفا والمروۃ۔ مع فتح الباری: ۵/۴۹۷-۵۰۱۔ مسلم، کتاب الحج، باب ان السعی بین الصفا والمروۃ رکن الخ)

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝۱۵۸ (البقرۃ:۱۵۸)

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہٰذا جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے کہ ان دونوں کا طواف کرے اور جو کوئی خوشی سے بھلائی کرے تو اللہ تعالیٰ قدرداں ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حج میں خانۂ کعبہ کے طواف کے بعد سات مرتبہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ صفا سے سعی شروع کی اور مروہ پر ختم کی۔ پہلے صفا پر پہنچے خانۂ کعبہ کی طرف رخ کرکے 'لا الٰہ الا اللّٰہ' اور 'اللّٰہ اکبر' کہا اور پھر یہ دعا پڑھی:

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ اَنْجَزَ وَعْدَهُ وَ نَصَرَ عَبْدَهُ وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهُ۔ (مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی)

نہیں ہے کوئی معبود سوائے ایک اللہ کے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، سلطنت اور اقتدار اسی کا ہے۔ حمد و ثنا اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا تمام لشکروں کو شکست دی۔

یہ دعا آدمی ایک سے زائد بار بھی پڑھ سکتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے صفا اور مروہ کو شرک کی آلائشوں سے پاک کیا اور اس کی حقیقی عظمت بحال کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اسوہ سے اس کا عملی ثبوت فراہم کیا۔ اب جو شخص بھی ان کے درمیان سعی کرتا ہے توحید کے نغمے اس کی زبان پر ہوتے ہیں۔

زم زم نکل آیا

اب اصل واقعے کی طرف آیئے۔ حضرت ہاجرہ صفا اور مروہ کے درمیان جب سات چکر لگا چکیں تو انھوں نے ایک آواز سنی۔ انھیں اپنے کانوں پر شبہ ہوا۔ کچھ دیر کے بعد پھر یہی آواز سنی۔ یہ دراصل فرشتے کی آواز تھی۔ اس نے سطحِ زمین کو کریدا تو پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ حضرت ہاجرہ گھبرا گئیں۔ فرشتے نے انھیں اطمینان دلایا: گھبراؤ نہیں اللہ تمھاری حفاظت کرے گا اور یہ بچہ بڑا ہوکر اپنے باپ کے ساتھ یہاں اللہ کا گھر تعمیر کرے گا۔ حضرت ہاجرہ نے پانی کو ابلتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے اپنا مشکیزہ بھر لیا اور اس کے چاروں طرف حوض بنا کر اسے روکنے کی کوشش کی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”اگر ہاجرہ اس پانی کو نہ روکتیں تو وہ ایک چشمۂ جاری ہوتا اور ہمیشہ رواں دواں رہتا۔“

وادی میں جب پانی نکل آیا تو آبادی کی صورت بھی پیدا ہوگئی۔ قبیلۂ جرہم کچھ فاصلے پر آباد تھا۔ اس کے کچھ لوگ سفر کرتے ہوئے کداء کے راستے سے مکہ کے نشیبی علاقے میں خیمہ زن ہوئے۔ انھوں نے ایک پرندے کو منڈلاتے دیکھا تو کہا کہ ہماری معلومات کی حد تک یہاں پانی نہیں ہے، پھر یہ کیوں منڈلا رہا ہے؟ یہ پرندہ تو وہاں پایا جاتا ہے جہاں پانی ہوتا ہے۔ انھوں نے دو ایک آدمیوں کو تحقیقِ حال کے لیے بھیجا تو خبر ملی کہ وادی میں

پانی موجود ہے۔ قافلے کے لوگ وہاں پہنچے تو حضرت ہاجرہ چشمے کے پاس موجود تھیں۔ انھوں نے وہاں قیام کی اجازت چاہی تو حضرت ہاجرہ نے کہا: ہاں تم قیام کرسکتے ہو، لیکن پانی پر تمھارا حق نہ ہوگا۔ اسے انھوں نے تسلیم کرلیا۔ جلد ہی قبیلۂ جرہم کے اور لوگ وہاں آباد ہوگئے۔ ان سب کے درمیان ایک طرح کا انس اور محبت پیدا ہوگئی۔ حضرت اسماعیلؑ نے ان ہی کے درمیان پرورش پائی۔ عربی زبان بولنے لگے اور ان کی شادی بھی اسی قبیلہ میں ہوئی۔ (بخاری، کتاب الانبیاء)

قربانی

حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ اس وادی غیر ذی زرع کو آباد کر رہے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ ان کے پاس آتے جاتے اور ان کی خبر گیری کرتے رہے۔ حضرت اسماعیلؑ اب چلنے پھرنے اور دوڑ دھوپ کے قابل ہوگئے تو حضرت ابراہیمؑ کو ایک اور امتحان سے گزارا گیا۔ یہ امتحان شاید سابقہ امتحانات سے زیادہ شدید تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں اشارہ ہوا کہ اپنی اکلوتی اولاد کو خدا کی راہ میں ذبح کردیں۔ باپ نے بیٹے سے اس کا ذکر کیا۔

اس کا بیان قرآن کے الفاظ میں سنیے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰى ؕ

(الصّٰفّٰت: ۱۰۲)

وہ لڑکا جب اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو ایک روز ابراہیمؑ نے اس سے کہا: بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب تو بتا، تیرا کیا خیال ہے؟

بیٹے نے بے ساختہ جواب دیا: اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟

قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

اس نے کہا ابا جان جو کچھ آپ کو حکم دیا جارہا ہے اسے کر ڈالیے۔ آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔

(الصّٰفّٰت:۱۰۲)

اسی جواب کی حضرت اسماعیلؑ سے توقع کی جاسکتی تھی۔ اس کم سنی میں بیٹے کی سعادت مندی اور خدا ترسی پر حضرت ابراہیمؑ کا دل شکر و امتنان سے لبریز ہوگیا ہوگا اور اس کے لیے پیار و محبت کے جذبات امنڈ آئے ہوں گے۔ کیا معلوم کہ آنکھوں میں خوشی کے موتی تیرنے لگے ہوں؟ حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

اے اللہ مجھے صالح اولاد عطا فرما۔

(الصّٰفّٰت:۱۰۰)

حضرت اسماعیلؑ نے عہدِ طفلی ہی میں ثابت کر دکھایا کہ اللہ نے ان کی دعا قبول کرلی۔ وہ صالح فطرت لے کر آئے ہیں اور خدا کے ہر حکم کے آگے سر جھکانے کے لیے تیار ہیں۔

معصوم بچے کی زبان سے صبر و ثبات کے یہ الفاظ سننے کے بعد خداپرست باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ چشمِ فلک حیران تھی کہ وہ کیا دیکھ رہی ہے؟ زمین کانپ رہی تھی کہ اس پر کیا پیش آنے والا ہے؟ فرشتے انسان کی عظمت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ مخلوقِ خدا دیکھ رہی تھی کہ مٹی کا بنا ہوا انسان خدا پرستی کا کتنا اونچا اور کتنا بلند و بالا مینار تعمیر کرسکتا ہے؟

باپ اور بیٹے کے اس والہانہ اقدام اور ان کے جذبۂ سرفروشی کے

بیان کے لیے الفاظ آپ کو خدا کی کتاب سے لینے ہوں گے۔ ارشاد ہے:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ﴿۱۰۳﴾ جب وہ دونوں مطیعِ فرمان ہو گئے اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا...

(الصّٰفّٰت: ۱۰۳)

قرآن مجید نے 'اَسْلَمَا' کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کے معنیٰ اسلام لانے کے ہیں۔ اس میں مطیعِ فرمان ہونے اور تعمیلِ حکم کا تصور ہے۔ اس میں خود سپردگی اور حوالگی کا بھی مفہوم ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے باپ بیٹے سراپا اسلام بن گئے ہوں۔ کیا اسلام کی اس سے بہتر اور کوئی تفسیر ہو سکتی ہے؟

حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو چت نہیں لٹایا، بلکہ چہرے کے بل لٹایا، تاکہ ذبح کے وقت بیٹے کے چہرے پر نظر پڑنے سے جذباتِ پدری غالب نہ آجائیں، جو قدم بڑھ چکا ہے وہ پیچھے نہ ہٹ جائے اور اس میں لغزش نہ آجائے۔ ایسی ہر بات اسلامِ کامل کے منافی تھی۔

ابھی حضرت ابراہیمؑ کی چھری حضرت اسماعیلؑ کے حلقوم پر نہیں چلی تھی کہ پردۂ غیب سے آواز ابھری:

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴿۱۰۵﴾ اے ابراہیم تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

(الصّٰفّٰت: ۱۰۴، ۱۰۵)

باپ کے ہاتھوں بیٹے کو ذبح کرانا مقصود نہ تھا۔ یہ تو محض خدا سے تعلق کا امتحان تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ثابت کر دیا کہ خدا کی محبت اولاد کی محبت پر غالب ہے اور اس محبت میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔ وہ اس محبت میں بڑے سے بڑا قدم اٹھا سکتے ہیں۔ حکم ہوا کہ اس امتحان میں تم کام یاب

ہو گئے۔ اسی جذبے کے ساتھ ایک بکرا ذبح کر دو۔

وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا۔ (الصّٰفّٰت: ۱۰۷)

انسانی غذا میں جانوروں کا گوشت ہمیشہ شامل رہا ہے اور اس کے لیے جانور ذبح ہوتے رہے ہیں۔ لیکن اس جذبے نے اسے ایک پاکیزہ رخ دے دیا ہے۔ اس طرح جانور کا ذبح کرنا محض غذائی ضرورت کی تکمیل نہیں، بلکہ خدا کی راہ میں ہر چیز قربان کر دینے کی علامت بن گیا۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ یہ بکرا جنت سے آیا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ کوہِ ثبیر سے اترا اور حضرت ابراہیمؑ نے اسے بہ طور فدیہ ذبح کیا۔ (قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، جلد ۱۵، ص، ۱۰۷) اس بحث سے قطع نظر حضرت ابراہیمؑ نے جس پاکیزہ جذبے کے ساتھ جانور کی قربانی کی وہ ایک دائمی سنت بن گئی اور بعض مواقع پر اس پر عمل ضروری قرار پایا اور قربانی میں یہی جذبہ مطلوب ہے، ورنہ خدا کو گوشت پوست کی حاجت نہیں:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ قربانیوں کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون، مگر اسے تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

(الحج: ۳۷)

دیوی دیوتاؤں کے نام پر انسانی جان کے نذرانے پیش ہوتے رہے ہیں۔ یہ کوئی نرالی بات نہیں ہے۔ اس کی مثالیں آج بھی مل جاتی ہیں۔ یہ نذرانے ذاتی اغراض اور پست مقاصد کے لیے دیے جاتے ہیں۔ ان کے پیچھے کوئی اعلیٰ نصب العین نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیمؑ کے اس واقعہ نے بتا دیا کہ

کسی چھوٹے مقصد ہی کے لیے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی کے لیے بھی انسانوں کی قربانی ناجائز ہے۔ یہ احترامِ آدمیت کے منافی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اس سنت کا نوعِ انسانی پر بہت بڑا احسان ہے۔

رمی جمار

حضرت ابراہیمؑ بیٹے کو ذبح کرنے کے ارادے سے نکلے تو تفسیری روایات میں آتا ہے کہ شیطان حضرت اسماعیلؑ کی والدہ کے پاس پہنچا اور کہا: تمھیں کچھ پتہ ہے کہ ابراہیم تمھارے لڑکے کو کہاں لے جا رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: مجھے نہیں معلوم۔ کہا کہ وہ انھیں ذبح کرنے لیے جا رہے ہیں۔ انھوں نے کہا: اس حرکت کی ابراہیم جیسے شفیق باپ سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس نے کہا: ان کا خیال ہے: ان کے رب نے انھیں اس کا حکم دیا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کی ماں نے جواب دیا: اگر یہ ان کے رب کا حکم ہے تو انھیں اس پر عمل کرنا ہی چاہیے۔ پھر وہ حضرت اسماعیلؑ کے پاس آیا اور یہی بات دہرائی تو انھوں نے بھی یہی جواب دیا کہ اللہ کا حکم ہے تو اس پر عمل کیوں نہ ہو؟ میں اس کے لیے آمادہ ہوں۔ آخر میں وہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کے خواب میں شیطان آیا تھا اور اس نے آپ کو اپنی اولاد کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے، اس پر آپ عمل نہ کریں۔ حضرت ابراہیمؑ سمجھ گئے کہ شیطان خرقۂ نصیحت پہن کر ان کے پاس آیا ہے۔ انھوں نے اسے دھتکار دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ پہلے جمرۂ عقبہ کے پاس آیا تو حضرت ابراہیمؑ نے سات کنکریاں مار کر اسے بھگایا۔ پھر وہ جمرۂ وسطیٰ کے پاس پہنچا۔ وہاں بھی

آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں۔ پھر جمرۂ اخریٰ کے پاس پہنچا اور وہاں یہی بات کہی اور حضرت ابراہیمؑ نے سات کنکریاں مار کر اسے بھگا دیا اور پھر اللہ کے حکم کی تعمیل کے لیے آگے بڑھے۔ منیٰ میں واقعۂ ذبح پیش آیا۔ یہ سنت بھی ہمیشہ کے لیے جاری ہوگئی اور حج کا ضروری جز قرار پائی۔

اس واقعہ کی تفصیل میں روایات کا کسی قدر اختلاف بھی ہے۔ (بغوی مع الخازن: ۵/ ۲۴۵-۲۴۷ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، جلد ۸، جزء ۱۵، ص ۷۰-۷۱)

خانۂ کعبہ کی تعمیر

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر فرشتوں نے کی تھی۔ بعض دوسری روایات بتاتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی تعمیر ہوئی تھی اور اولاد آدم کے لیے یہی مرکزِ عبادت تھا۔ طوفانِ نوح میں یہ زیرِ آب ہوگیا اور اس کے نشانات تک مٹ گئے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اس کی نشان دہی فرمائی اور از سرِ نو اس کی تعمیر ہوئی۔ (قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۲/ ۱۲۰-۱۲۲)

ان روایات کی صحت مشکوک ہے، اس لیے ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اور قرآن مجید نے اس کی گواہی دی ہے کہ اس گھر کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں ہوئی۔ جس خلوص اور پاکیزہ جذبے کے تحت ہوئی اس کا ذکر کوئی کیا کرسکے؟ قرآن کے الفاظ میں سنیے:

وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾

اور یاد کرو (اس وقعہ کو) جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے اور دعا کرتے جاتے تھے اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت

رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

(البقرة:۱۲۷-۱۲۸)

قبول فرما لے تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے رب ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیعِ فرمان) بنا۔ ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری فرماں بردار ہو۔ ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما۔ تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

غور کیجیے! کسی مادی چیز کی خواہش نہیں، کوئی ذاتی غرض نہیں، دولتِ دنیا کی طلب نہیں، آسائش و راحت اور عیش و آرام کی خواہش نہیں، شہرت اور نام وری کی آرزو نہیں، بلکہ دعا ہے اور خلوص کے ساتھ دعا ہے کہ اے خدا! تیرا گھر تعمیر ہو رہا ہے، اس خدمت کو قبول فرما، ہم دونوں کو اسلام کی دولت سے نواز دے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق دے، ہماری ذریت سے تیری فرماں بردار امت برپا کر دے، ہمیں تیری عبادت کے طریقے اور مناسکِ حج سکھا دے۔ ابھی یہ دعا ختم نہیں ہوئی۔ مزید دعا ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع

(البقرة:۱۲۹)

اور اے رب! ان لوگوں میں خود انہی کے اندر سے ایک رسول پیدا کرنا، جو انھیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے، تو بڑی طاقت والا اور حکیم ہے۔

حضرت ابراہیمؑ دیکھ رہے تھے کہ ان کی ذرّیت پھیلے گی، یہ بستی آباد ہوگی اور اسے ہدایت اور رہنمائی کی بھی ضرورت ہوگی۔ اس کے لیے دعا تھی

ایک ایسے پیغمبر اور ایک ایسے رہنما کی، جو ان کی ذریت کو خدا کی کتاب سنائے، جو اسے فکر و عمل کی گندگیوں سے پاک صاف کرے اور اسے کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور دین کے اسرار و رموز اس پر کھولے۔ اپنی ذریت اور اپنی اولاد کے لیے اس سے بہتر اور کیا دعا ہوسکتی ہے؟ وہ سینہ کن جذبات سے معمور رہا ہوگا، جن سے یہ دعائیں الفاظ کے قالب میں ڈھل رہی تھیں۔ یہ بے غرضی، یہ بے لوثی اور اخلاص وللّٰہیت پیغمبروں ہی کے یہاں دیکھی جاسکتی ہے۔ وہی اس معاملے میں دنیا کے لیے نمونہ ہوتے ہیں۔ حرم کو جو عظمت نصیب ہوئی، دل کہتا ہے اور پورے زور سے کہتا ہے کہ اس میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا یہی خلوص اور للّٰہیت کارفرما رہی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے جس پیغمبر کی دعا کی تھی رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی اس کا مظہرِ اتم تھی۔ آپؐ کے ذریعے ان مقاصد کی تکمیل ہوئی جن کی دعا حضرت ابراہیمؑ نے کی تھی اور اس طرح ہوئی کہ اب نوعِ انسانی کی فلاح و کامرانی کے لیے کسی اور ہدایت، کسی اور رہنمائی کی قیامت تک ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔

اللہ تعالیٰ نے وہ مقصد واضح کردیا تھا، جس کے لیے خانۂ کعبہ کی تعمیر کا حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا:

وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

(الحج:۲۶)

یاد کرو وہ وقت جب کہ ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔

یہی بات ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں کہی گئی ہے:

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴿۱۲۵﴾

اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔

(البقرۃ:۱۲۵)

یہ ہدایت تھی اور اعلان تھا کہ یہ گھر توحید کا مرکز ہوگا۔ یہاں صرف اللہ واحد کی عبادت ہوگی اور اسے ظاہری غلاظت اور گندگی سے بھی پاک رکھا جائے گا۔ لوگ اس کا طواف کرنے کے لیے آئیں گے۔ اس میں رکوع و سجدہ ہوگا اور نمازیں پڑھی جائیں گی۔

حجرِ اسود

خانۂ کعبہ کا طواف کرنا اور اس کے گرد چکر کاٹنا عین عبادت ہے۔ اس کی بنیادیں جب ایک حد تک بلند ہوچکیں تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ سے کہا کہ کوئی ایسا خوب صورت اور نمایاں پتھر ڈھونڈ لاؤ کہ اسے دیوار میں نصب کردیا جائے، تاکہ وہ طواف کرنے والوں کے لیے علامت کے طور پر استعمال ہوسکے۔ وہ یہاں سے طواف شروع کریں اور یہیں ختم کریں۔ حضرت اسماعیلؑ پتھر ڈھونڈ لائے، لیکن حضرت ابراہیمؑ کو پسند نہ آیا۔ وہ دوسرے پتھر کی تلاش میں گئے کہ جبرئیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ کو مناسب پتھر کی نشان دہی کی۔ یہی حجر اسود ہے اور وہ دیوار میں نصب کردیا گیا۔ اسے بوسہ دینا سنت اور باعثِ ثواب ہے۔ (قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۲/۱۳۲)

مقامِ ابراہیم

حضرت ابراہیمؑ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ حضرت اسماعیلؑ انھیں

پتھر فراہم کرتے جارہے تھے۔ جب بنیاد کچھ بلند ہوگئی اور ہاتھ کا وہاں تک پہنچنا مشکل ہوگیا تو حضرت ابراہیمؑ ایک پتھر پر کھڑے ہوکر اسے بلند کرنے لگے۔ اسی کو مقامِ ابراہیم کہا جاتا ہے۔ یہ شاید کچا پتھر تھا۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ کے قدم کے نشانات پڑ گئے۔ لوگوں کے مسلسل ہاتھ لگانے اور چھوتے رہنے کی وجہ سے وہ دھندلے ہوتے چلے گئے۔ ایک وقت آیا کہ وہ نشانات مٹ گئے۔

یہ پتھر خانۂ کعبہ کی بنیاد سے لگا ہوا تھا۔ غالبًا جہاں تعمیر کا کام ختم ہوا حضرت ابراہیمؑ نے اسے وہیں چھوڑ دیا۔ حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ اس کی وجہ سے طواف میں زحمت ہو رہی ہے تو اسے تھوڑا سا پیچھے ہٹادیا۔ صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے اس اقدام پر نکیر نہیں کی۔ اس طرح عملاً اس سے اتفاق کرلیا گیا۔

ایک کم زور سی روایت یہ بھی ہے کہ اس پتھر پر حضرت اسماعیلؑ کی اہلیہ نے حضرت ابراہیمؑ کا سر دھلایا تھا اور اس پر حضرت ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کے نشانات تھے۔ اس روایت سے یہاں بحث نہیں ہے۔ قرآن مجید سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت ثابت ہے اور یہی اس کے احترام کے لیے کافی ہے۔ قرآن نے کہا:

وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ (البقرۃ:۱۲۵)

اور تم مقام ابراہیم کو نماز ادا کرنے کی جگہ بنالو۔

طوافِ قدوم کے بعد اس جگہ دو رکعت نماز پڑھنا سنت ہے۔ البتہ اسے چھوُنا یا اس کا بوسہ لینا ثابت نہیں۔

(قرطبی، الجامع لاحکام القرآن:۲/ ۱۱۲-۱۱۳۔ ابن کثیر، تفسیر:۱/ ۱۶۹-۱۷۱، ابن حجر، فتح الباری:۸/ ۱۶۹)

حج کا اعلان

جب خانۂ کعبہ کی تعمیر ہوگئی تو حکم ہوا:

وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿٢٧﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٢٩﴾

(الحج:۲۷-۲۹)

اور لوگوں کو حج کے لیے اذنِ عام دے دو کہ وہ تمھارے پاس ہر دُور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں، تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لیے رکھے گئے ہیں اور چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انھیں بخشے ہیں، خود بھی کھائیں اور تنگ دست محتاج کو بھی دیں۔ پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

یہ قیامت تک کے لیے اعلان تھا کہ لوگ اس گھر کی زیارت کے لیے آئیں اور ہر طرف سے آئیں، اس کا طواف کریں، یہاں قربانی دیں اور اپنی نذریں پوری کریں۔ آج تک یہ اعلان باقی ہے اور دنیا کے ہر گوشے سے اللہ کے بندے اس گھر کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں اور جب تک گردش لیل و نہار قائم ہے یہ سلسلہ ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

یہ ہے حج کی مختصر تاریخ۔ اس تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے محفوظ کردیا ہے۔ یہ تاریخ آج بھی بولتی ہے۔ ان مقامات پر پہنچ کر، جہاں یہ تاریخ وجود میں آئی، اس کی آواز سنی جاسکتی ہے۔ ان مقامات کے مشاہدہ سے آنکھوں کو جلا اور ایمان کو تازگی ملتی ہے۔ یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ آدمی ان اعمال کو بجالانے کی کوشش کرے جو حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہ نے انجام دیے تھے۔ اس کا قلب ان کیفیات سے دو چار ہو جو ان مواقع پر طاری ہوتے ہیں یا فطری طور پر طاری ہونے چاہئیں۔ یہی ہے حج کی معنویت۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ
لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی
لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۶﴾ فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ
اِبۡرٰہِیۡمَ ۬ۚ وَ مَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ
وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ
اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ
اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۷﴾

(آل عمران:۹۶،۹۷)

بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ، جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے، جو مکہ میں واقع ہے۔ اس میں خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں۔ مقام ابراہیم (ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ) ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا مامون ہوگیا۔ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو کوئی گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہوجانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

سفرِ حج کی روداد

سفرِ حج کی روداد سے پہلے حج کا ذکر چھڑ گیا ع
لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

اب اس مقدس فرض کی ادائے گی میں ہمارا حال سنیے۔

ہمارا سفر انٹرنیشنل پاسپورٹ کے تحت تھا۔ اس سلسلے میں مجھے کسی قسم کی دوڑ دھوپ نہیں کرنی پڑی۔ ساری کارروائی برادر محترم جناب اعجاز احمد اسلم صاحب اور جناب طارق اکرام اللہ صاحب نے انجام دی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے۔

۲۱؍مارچ ۹۷ء کو ہم دونوں علی گڑھ سے دہلی روانہ ہوئے۔ بچے بھی رخصت کرنے کے لیے ساتھ ہوگئے۔ بڑا لڑکا سید صفی اطہر اسی مقصد سے بمبئی سے آیا ہوا تھا۔ ۲۵؍مارچ کی شام کو ۱/۲ ۶ بجے سعودی ایر لائنس سے روانگی تھی۔ رفیقوں اور دوستوں کی دعاؤں کی سوغات لے کر روانہ ہوئے۔ ڈاکٹر محمد رفعت (داماد) دونوں بچوں اور دونوں بچیوں نے رخصت کیا۔ ایرپورٹ میں جیسے ہی داخل ہوئے اور سفر کے سلسلے کی معلومات کرنے لگے، ایک نوجوان نے، جن کا تعلق بہار سے تھا اور جو سعودیہ میں ملازم تھے، سامان کی چیکنگ سے لے کر بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے تک، بلکہ جہاز میں سوار ہونے تک ساتھ دیا۔ وہ خود بھی اسی جہاز سے سفر کررہے تھے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، افسوس کہ میں ان کا نام بھول گیا۔

ہم نے حجِ تمتّع کی نیت کی تھی۔ حج تمتع میں آدمی حج کے مہینوں میں عمرہ کی نیت کرتا ہے، عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد احرام کی پابندیاں اس پر سے ختم ہوجاتی ہیں۔ پھر حج کے دنوں میں دوبارہ احرام باندھ کر حج کرتا ہے۔ حج تمتّع کرنے والے کے لیے قربانی واجب ہے[1] (البقرہ:۱۹۶)

---

(۱) حج کی دو اور قسمیں ہیں۔ حج اِفراد اور حج قِران۔

حج اِفراد یہ ہے کہ میقات سے احرام باندھتے وقت صرف حج کی نیت کی جائے اور حج کے مراسم ادا کیے جائیں۔ اس کے ساتھ عمرہ کی نیت نہ ہو۔ جو شخص حج افراد کرے اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔

حج قِران یہ ہے کہ میقات سے احرام اس نیت سے باندھا جائے کہ حج اور عمرہ ایک ساتھ ادا کیے جائیں گے۔ پہلے عمرہ ادا کیا جائے۔ اس سے پوری طرح فارغ ہونے کے بعد آدمی حالتِ احرام ہی میں رہے اور حج ادا کرکے احرام کھولے۔ بالوں کا قصر یا حلق عمرہ کے بعد نہ کرائے۔ مناسکِ حج کے ساتھ کرائے۔

حج قران اور حج تمتع میں قربانی واجب ہے۔ حج تمتع میں سہولت اور آسانی ہے اس لیے زیادہ تر اسی پر عمل ہوتا ہے۔

سفرِ حج شروع ہوتے ہی دہلی ایر پورٹ پر میں نے دو رکعت نفل نماز پڑھی اور عمرہ کی نیت سے احرام باندھ لیا۔ اہلیہ نے بھی نفل پڑھی اور عمرہ کی نیت کی۔ (عورتوں کے لیے احرام کا مخصوص لباس نہیں ہے، وہ اپنے عام کپڑوں میں احرام کی نیت کرسکتی ہیں) سعودیہ کا طیارہ ظہران ہوتا ہوا جدہ پہنچا۔ اس وجہ سے سفر میں چھ گھنٹے سے کچھ زیادہ ہی وقت صرف ہوگیا۔ دہلی سے بہ راہ راست فلائٹ چار گھنٹوں میں جدہ پہنچ جاتی ہے۔ جدہ ہم لوگ پہنچے تو سعودی عرب کے حساب سے ½ ۱۱ بجے اور ہندستان کے حساب سے دو بجے تھے۔ مغرب اور عشاء کی نماز کافی تاخیر سے ایر پورٹ پر ادا کی۔ اس کے بعد ضابطہ کی طول طویل اور تھکا دینے والی کارروائی شروع ہوئی۔ اس کا پہلا تجربہ تھا۔ (اس سے پہلے حج کے موقع پر ایک عرب دوست اور معروف شخصیت کی مہربانی سے ضابطہ کی کارروائیوں سے بچا رہا)۔ اس کارروائی کو اور تیز کیا جاسکتا ہے اور زحمتوں سے بچا جاسکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حاجیوں کے جو مخصوص جہاز ہوتے ہیں ان سے نمٹنے میں اور بھی کئی گھنٹے مزید لگ جاتے ہیں۔ ہندستان سے جو حاجی آئے تھے ان میں سے چار افراد سب سے پہلے صبح چار بجے کے قریب مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ ان میں خوش قسمتی سے ہم دونوں بھی تھے۔ باقی حجاج کا تعلق پاکستان سے تھا۔ راستے میں نمازِ فجر ادا کی۔ مکہ مکرمہ میں معلّم کے آفس پہنچے تو سات بج چکے تھے۔ معلّم کے پاس پاسپورٹ جمع ہوجاتے ہیں۔ ان کی جگہ ایک کارڈ ملتا ہے، جو حج سے واپسی تک پاسپورٹ کا بدل ہوتا ہے۔ منیٰ اور عرفات کے قیام کے لیے بھی الگ سے کارڈ ملتا ہے۔ ہاتھ میں ڈالنے کے لیے پلاسٹک کا ایک پٹّا ہوتا ہے، جس میں معلم کا نام اور پتا لکھا ہوتا ہے۔ ہمارے معلم کا نام محمد اسماعیل المؤذن ہے۔

سعودی عرب کے رفیقوں اور دوستوں نے یہ پہلے ہی سے طے کیا تھا کہ ہمارا قیام انہی کے درمیان رہے گا اور انہی کے ساتھ حج ہوگا۔ چناں چہ معلم کے آفس سے میں نے برادرم جناب محمد اسماعیل صاحب کو فون کیا تو تھوڑی ہی دیر میں وہ اور ان کی اہلیہ پہنچ گئیں۔ ساتھ میں برادرم ریاض صاحب بھی تشریف لے آئے۔ وہ ہم دونوں کو ڈاکٹر محمد آصف علی صاحب کے مکان لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کی اہلیہ ڈاکٹر رفیعہ صاحبہ 'مستشفی الولادۃ' جرول میں سروس میں ہیں۔ مکان اسی کے قریب ہے۔ دونوں کا تعلق حیدر آباد سے ہے۔

عمرہ کی ادائے گی

ہم لوگوں کو اب عمرہ کرنا تھا۔ رفیق محترم جناب صداقت علی صاحب طے شدہ پروگرام کے تحت عصر سے پہلے تشریف لے آئے۔ عصر کی نماز حرم میں ادا کی۔ حرم کا پورا ماحول طہارت اور پاکیزگی کا ماحول ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے چاروں طرف تقدس کا ہالہ موجود ہے اور ہر طرف نیکی کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ حرم کو دیکھیے اور دیکھتے ہی رہیے۔ یہاں ہر آن رحمتوں کی بارش ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق فیض یاب ہوسکتا ہے۔ میری کیفیت یہ تھی کہ۔ع

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار　　　گل چینِ تو بہ تنگیِ داماں گلہ دارد

رسولِ خدا ﷺ کعبہ کو دیکھتے تو فرماتے: اَللّٰھم زِدْ ھذا البَیْتَ تَشْرِیْفًا وَ تَعْظِیْمًا (اے اللہ اس گھر کی عظمت اور قدر و منزلت میں اضافہ فرما) یہ مسنون دعا اس گھر کی عظمت کا احساس دلاتی ہے۔ اسے بھولنا نہیں چاہیے۔

نمازِ عصر کے بعد ہم دونوں نے طواف کیا۔ صداقت علی صاحب بھی طواف میں ساتھ رہے۔ کعبۃ اللہ کو دیکھتے ہی دل بے چین ہوجاتا ہے، جب

یہ خیال آتا ہے کہ یہ خدا کا وہی گھر ہے، جس کی طرف رخ کرکے زندگی بھر نماز پڑھی اور جب تک حیاتِ مستعار ہے ان شاء اللہ پڑھتے رہیں گے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اس کے در و دیوار سے چمٹ جائیں۔ جس گھر کو یہ مقام حاصل ہو کہ وہ دنیا کے سارے مسلمانوں کا قبلہ ہو، عبادت میں جس کی طرف رخ کرنا ضروری ہو اور اس سے رخ پھر جائے تو نماز نماز نہ رہے، اس کی عظمت کن الفاظ میں اور کس طرح بیان کی جاسکتی ہے؟ انہی احساسات کے ساتھ خانۂ کعبہ کو دیکھتا اور کبھی اپنی خوش بختی پر مسرت سے جھوم اٹھتا اور کبھی نگاہیں خود بہ خود جھک جاتیں کہ ان سیہ کار آنکھوں سے خدا کے اس مقدس گھر کو کیسے دیکھا جائے؟ اس کے لیے تو طہارت میں ڈوبی ہوئی اور توبہ و استغفار سے دھلی ہوئی آنکھیں چاہئیں۔ کاش وہ آنکھیں ملتیں، جو اس کے شایانِ شان ہوتیں۔

تھوڑی دیر غلافِ کعبہ کو دیکھا اور دیکھتا رہا۔ پہلے بھی بارہا دیکھا تھا۔ یوں محسوس ہوا جیسے اس سیاہ پردہ سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں اور پورا ماحول روشن اور تاباں ہورہا ہو۔ خیال ہوا: کیا اس میں میری جذباتیت کا دخل ہے یا میں خاص قسم کی مذہبی نفسیات کا شکار ہوں؟ جلد ہی یہ خیال مٹ گیا۔ اس لیے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ مرکزِ ہدایت ہے، یہ بقعۂ نور ہے، یہیں سے نور ہدایت پھیلا اور عام ہوا، سرزمین مکہ سے جو آفتاب طلوع ہوا اس سے ساری دنیا چمک اٹھی۔ اگر اس سے نور نکلتا ہوا محسوس ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

خانۂ کعبہ کا طواف حج اور عمرہ کا جز اور ایک بڑی عبادت ہے۔ طواف کرتے ہوئے انسان عجیب کیفیات سے سرشار ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی تمنّائیں اور مرادیں لے کر بے سرو سامانی کے لباس میں اللہ تعالیٰ کے گھر کا طواف کرتا

اور اس کے گرد چکر کاٹتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا جذبۂ کرم بھی جوش میں آجاتا ہوگا۔ میں بھی اپنی اہلیہ کے ساتھ اس گھر کا طواف کر رہا تھا۔ دل سے بے اختیار صدا بلند ہوئی: اے اللہ! یہ فقیرِ بے نوا تیری نوازش کا طالب ہے۔ تو اس کا دامن بھر دے۔ وہ تیرے در سے خالی ہاتھ نہ جائے۔

ہم لوگوں نے عصر کے بعد طواف کیا اور طواف کے بعد سعی کی۔ اتنے میں عشاء کا وقت ہوگیا۔ عشاء سے فارغ ہونے کے بعد بالوں کا قصر کرایا اور دیر گئے ڈاکٹر محمد آصف صاحب کے مکان پہنچے، جو ہماری قیام گاہ تھی۔

جب تک مکہ مکرمہ میں قیام رہا پینے کے لیے زم زم کا استعمال خوب رہا۔ زم زم کو خوب جی بھر کر پینے کا حکم ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے مَاءُ زمزمَ لِمَا شُرِبَ لَه (ابن ماجہ) یعنی زم زم جس مقصد کے لیے پیا جائے وہ پورا ہوگا۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ زم زم بھوک اور پیاس دونوں میں کام آتا ہے۔ بہت سے اللہ کے بندوں کا تجربہ اس کی تائید کرتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے زم زم کھڑے ہوکر پیا تھا۔ اس لیے کھڑے ہوکر پینا سنت ہے۔ اس وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَّ رِزْقًا وَّاسِعًا وَّ شِفَاءً مِنْ کُلِّ دَاءٍ۔	اے اللہ میں تجھ سے علمِ نافع، رزق کی کشادگی اور ہر بیماری سے صحت و شفا، چاہتا ہوں۔

حرم میں ہر طرف زم زم کے کنستر موجود رہتے ہیں، اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی زحمت نہیں پیش آتی۔ باہر نل لگے ہوئے ہیں۔ یہاں سے زم زم اپنے ساتھ لے جایا بھی جاسکتا ہے۔ بہت سے لوگ اس سے وضو کرتے اور منھ ہاتھ دھوتے ہیں۔

۲۹/مارچ ۱۹۹۷ء کو بعد عصر ہم دونوں، جناب ریاض احمد صدیقی صاحب کے ساتھ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے نکلے۔ ان مقامات کی میں پہلے بھی زیارت کر چکا تھا، لیکن اہلیہ کے لیے یہ پہلا موقع تھا۔ حج سے پہلے ان مقامات کا دیکھ لینا مفید ہوتا ہے۔ ایّامِ حج میں مجمع کی کثرت اور حج کی مصروفیت کی وجہ سے ان کے بارے میں پوری معلومات نہیں ہو پاتیں۔ ریاض صاحب خاصے طویل عرصے سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں۔ ان کی معلومات بھی وسیع ہیں۔ انھوں نے ان مقامات کے کچھ نقشے بھی مرتب کیے تھے۔ ان کی معلومات سے فائدہ پہنچا اور بہت سی یادیں تازہ ہوگئیں۔ فتح مکہ کے وقت رسول خدا ﷺ جس راستے سے داخل ہوئے، اس سے ہماری گاڑی گزری۔ شعبِ ابی طالب کو اچھی طرح دیکھنے کا موقع ملا۔ اس کے ساتھ اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخ وابستہ ہے، جو بتاتی ہے کہ دعوتِ حق کی راہ کن پُر خار وادیوں سے گزرتی ہے۔ شعبِ ابی طالب اب اپنی اصل شکل میں نہیں ہے۔ اسے کاٹ کر وسیع سڑکیں نکال دی گئی ہیں۔ اسے اب شعبِ علی کہا جاتا ہے۔ وادیِ بیعت عقبہ دیکھی، جس بیعت نے اسلام کی دعوت کو ایک نیا رخ دیا اور فتح و کامرانی کا دروازہ کھول دیا۔ منیٰ پہنچے، مسجدِ خیف دیکھی، جس کا ایک حصہ حدودِ حرم کے اندر اور ایک حصہ حدودِ حرم سے باہر ہے۔ نہرِ زبیدہ کے نشانات دیکھے۔ یہ وقت کے ساتھ شکست و ریخت اور ٹوٹ پھوٹ سے دوچار ہوچکی ہے اور استعمال میں نہیں ہے، لیکن اس میں انجینرنگ کا کمال یہ ہے کہ اتنی لمبی نہر، اونچے نیچے راستے سے اور پہاڑوں کے درمیان سے گزرتی تھی، لیکن اس کی سطح (Level) ہموار تھی۔ کہیں فرق نہیں آنے پایا تھا۔ ورنہ ظاہر ہے، پانی

نہیں پہنچ سکتا تھا۔ میدانِ عرفات پہنچے۔ جبلِ رحمت گئے، جہاں سے آپ نے حجۃ الوداع کا تاریخی خطبہ دیا تھا۔ انسانی حقوق کی حفاظت، نوعِ انسانی کی ہمدردی اور کم زوروں کی بہی خواہی میں اس جیسا خطبہ، تاریخ کبھی سن نہیں سکی۔ راستے میں مغرب کا وقت ہوگیا۔ سڑک کے کنارے کچھ اور لوگوں کے ساتھ نمازِ مغرب ادا کی اور سیدھے حرم پہنچ گئے۔ دیر تک خدا کے گھر میں بیٹھے رہے۔ نمازِ عشاء حرم میں پڑھی۔ اس کے بعد ریاض صاحب نے ہمیں اپنے مستقر پر پہنچادیا۔

محترم سید صداقت علی صاحب نمازِ فجر سے پہلے ڈاکٹر آصف علی صاحب کے ہاں پہنچ جاتے اور ڈاکٹر صاحب کے ہاں یہ اہتمام تھا کہ نماز سے پہلے ہی ہم دونوں کے لیے اور ہمارے ساتھ صداقت صاحب کے لیے بھی چائے تیار ملتی۔ چائے سے فارغ ہونے کے بعد وہ ہم دونوں کو اپنی گاڑی سے حرم پہنچا دیا کرتے۔ نماز فجر کے بعد جب تک جی چاہتا ہم دونوں حرم میں قیام کرتے اور کوشش یہ ہوتی کہ ہر روز طواف کی سعادت بھی حاصل ہو۔ پھر کوئی نہ کوئی دوست آتے اور ہمیں ڈاکٹر صاحب کے یہاں پہنچا دیتے۔ ڈاکٹر صاحب کا گھر حرم سے قریب تھا۔ دس منٹ میں سواری ان کے گھر پہنچ جاتی۔

۳۱/مارچ/۲۱/ ذی قعدہ کو ہم ڈاکٹر صاحب کے گھر پہنچ کر ناشتے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ حسین ذو القرنین صاحب تشریف لے آئے۔ دعوت و تبلیغ کے موضوع پر ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ لندن میں اس مقصد کے لیے ایک سینٹر قائم ہے۔ اس سے وہ وابستہ ہیں۔ عصر کے بعد صداقت صاحب کے ساتھ ہم دونوں حرم پہنچے۔ ہمارے ساتھ صداقت صاحب نے بھی طواف کیا۔ نمازِ مغرب کے بعد واپسی ہوئی۔

مدینہ منورہ روانگی

آج مدینہ منوّرہ روانگی ہے۔ عشاء کے بعد کا وقت طے ہوا ہے۔ لیکن ضابطہ کی طول طویل اور بہ ظاہر غیر ضروری کارروائیوں کے نتیجے میں شب میں بارہ بجے بس روانہ ہوئی۔ صداقت صاحب اور تمیز الدین صاحب اپنی اہلیہ کے ساتھ ہم لوگوں کو رخصت کرنے کے لیے موجود تھے۔ اتنی دیر تک انھیں انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔ ان سب باتوں پر قابو پایا جاسکتا ہے، لیکن اس کی طرف شاید توجہ نہیں ہوتی۔

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک کا فاصلہ چار سو بیس (۴۲۰) کلو میٹر اور جدہ سے مدینہ منورہ کا فاصلہ تین سو چھیانوے (۳۹۶) کلو میٹر ہے۔ سڑک وسیع، کشادہ اور دو رویہ ہے۔ اس پر چھ گاڑیوں کی بیک وقت آسانی سے آمد و رفت ہوسکتی ہے۔ تین گاڑیاں ایک طرف سے اور تین گاڑیاں دوسری طرف سے۔ آمد و رفت کے راستے الگ الگ ہیں۔ درمیان میں بیس میٹر جگہ چھوٹی ہوئی ہے۔ اس شان دار سڑک پر زیادہ سے زیادہ چار ساڑھے چار گھنٹے کے اندر مکہ یا جدہ سے مدینہ پہنچا جاسکتا ہے۔ لیکن بس ڈرائیوروں کی بے نیازی اور ضابطہ کی کارروائیوں میں پوری رات گزر جاتی ہے۔ چناں چہ ہم لوگوں نے بھی رات جاگ کر گزاری اور صبح ساڑھے آٹھ بجے بس نے ہمیں مدینہ منورہ میں حرم کے قریب اتار دیا۔ رفقاء نے بتایا کہ یہ کم وقت لگا ہے۔ بالعموم اس سے زیادہ وقت لگتا ہے۔ چناں چہ واپسی پر ہمیں اس کا تجربہ بھی ہوا۔ سڑک پر اتر کر میں نے اپنے رفیقوں کو فون کرنا چاہا۔ میرے پاس سعودی سکّے تو تھے، لیکن قریب میں جتنے ٹیلی فون بوتھ تھے ان میں کارڈ سسٹم تھا اور کارڈ میرے

پاس نہیں تھا۔ میں نے ایک دوکان دار سے فون کرنے کی درخواست کی۔ اس نے بہ خوشی نمبر ملا دیا۔ فون پر بات ہوتے ہی جناب مسیح الرحمٰن صاحب، جناب عارف الحق صاحب اور جناب عبد الرزاق صاحب پہنچ گئے۔ حرم سے قریب ہی انھوں نے ہم دونوں کے لیے ایک کمرہ لے رکھا تھا۔ اس کمرہ میں پہنچا دیا۔ وہیں ناشتہ کیا۔ عبد الرزاق صاحب دوپہر کا کھانا لے کر عارف صاحب کے ساتھ پہنچے۔ میں نے عرض کیا: کھانے کی زحمت نہ کریں، ہم لوگ خود اس کا انتظام کرلیں گے۔ لیکن عبد الرزاق صاحب نے کہا کہ ہم نے آپ کی خواہش پر کمرہ تو لے رکھا ہے، لیکن ہماری درخواست یہ ہے کہ آپ ہمارے گھر قیام کریں۔ میں نے عرض کیا کہ یہاں سے حرم قریب ہے، پانچوں وقت کی نماز کی سعادت حاصل ہوسکتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم حرم میں آپ کی پانچوں وقت کی نماز کا انتظام کردیں گے، گھر پر ٹیلیفون کی سہولت ہے، دوست احباب آپ سے ملاقات کرسکتے ہیں۔ بہ ہر حال ان کا اصرار اس حد تک بڑھا کہ ہم اسی روز عبد الرزاق صاحب کے گھر پہنچ گئے۔ عبد الرزاق صاحب، ان کی اہلیہ اور ان کے بچے ہماری ہر چھوٹی بڑی ضرورت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ہر طرح کا آرام رہا۔ اللہ جزائے خیر سے نوازے۔

جناب عارف الحق صاحب، نذیر احمد صاحب اور جناب حامد صاحب ہم لوگوں کو نماز کے لیے حرم پہنچاتے۔ جب تک ہمارا جی چاہتا ہم لوگ وہاں رہتے، پھر کوئی رفیق آتے اور ہمیں واپس لے جاتے۔ البتہ نماز ظہر کبھی کبھی قریب کی مسجد میں ادا ہوتی رہی۔ مسجدِ نبوی میں چالیس فرض نمازیں ادا کرنے کا رواج سا ہوگیا ہے۔ اس کا بڑا ثواب بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے کم از کم

ایک ہفتہ قیام کی کوشش ہوتی ہے۔ یہ اجر وثواب کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اس رواج عام کی ہم سے پابندی نہ ہوئی اور نہ ہم یہ چاہتے تھے۔ اس کے باوجود ہم دونوں کوتقریباً چالیس نمازیں ادا کرنے کی سعادت ملی۔

مکہ مکرمہ اور کعبۃ اللہ کے بعد ایک مسلمان کے لیے سب سے زیادہ پرکشش مقام مدینہ منورہ اور مسجد نبوی ہے۔ اس سے پہلے بھی دو مرتبہ حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ لیکن جب دیکھیے حرم نبوی میں نئی کشش محسوس ہوتی ہے۔ اس کی تعمیر میں وہ مقدس ہستی شریک تھی، جو سیّد الناس تھی اور اس کے وہ ساتھی معاونت کر رہے تھے جن کو 'اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ' کہا گیا ہے۔ میں بیٹھا اس ہستی کے بارے میں سوچنے لگا، جس کے اشارۂ چشم و ابرو پر اس کے ساتھیوں کی جانیں نثار ہوتی تھیں، جس کا ہر عمل امت کے لیے نمونہ تھا، جس کی پوری زندگی اسوۂ حسنہ تھی، جس کے نقشِ قدم سے رہ نمائی ملتی تھی، جس نے زہد فی الدنیا کے ساتھ حکم رانی اور سیاست کا بھی درس دیا، جس کی راتیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اور جس کے دن اس کے دین کی دعوت و تبلیغ اور سربلندی کی جدو جہد میں صرف ہوئے تھے، جس کے ارد گرد دنیا کی دولت امنڈ آئی، لیکن اس نے ایک مسافر کی طرح زندگی بسر کی:

مالی و للدنیا وما انا والدنیا الا کراکب استظلّ تحت شجرۃ ثم راح و ترکھا۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)	میرا دنیا سے کیا تعلق؟ میرا دنیا سے بس اتنا ہی تعلق ہے جیسے کوئی سوار کسی درخت کے نیچے سایہ میں ٹھہر جائے، پھر چل پڑے اور اسے چھوڑ دے۔

بوریا ممنونِ خواب راحتش　　تاجِ کسریٰ زیر پائے امتش

جس ہستی کے ذریعے دنیا کو علم کی روشنی ملی، مکارمِ اخلاق ملے، اعلیٰ سیرت، ہم دردی و بہی خواہی ملی، عدل و انصاف کی دولت ملی، حقوق ملے، کم زور کو طاقت ملی، زور آور کو احساس ہوا کہ وہ قانون کے سامنے لاچار اور بے بس ہے، جس نے مساوات کا تصور عام کیا، برتری اور کم تری کے سارے مصنوعی امتیازات مٹائے، عزت و ذلت کے جھوٹے پیمانے ختم کیے اور تقویٰ اور خدا ترسی کو بزرگی کا معیار قرار دیا، میں اس مقدس ہستی اور اس عظیم کارنامے کے بارے میں سوچنے لگا، اتنا عظیم کارنامہ، جس کی کوئی مثال پیش کرنے سے تاریخ کے اوراق خالی ہیں، کیسے انجام پایا؟ کن حالات میں انجام پایا؟ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں پڑھا ہے، لیکن اس وقت حرم نبوی کی پاکیزہ فضا میں، جہاں زور سے سانس لیتے ہوئے بھی دل کانپ کانپ جاتا تھا، میں نے قرآن مجید سے اس کا مطالعہ کرنا چاہا۔ میں نے سورۂ احزاب، سورۂ نور، سورۂ محمد، سورۂ فتح، سورۂ حجرات سے لے کر سورۂ مجادلہ اور سورۂ طلاق تک پڑھنا شروع کیا۔ پڑھ رہا تھا اور آنکھوں کے سامنے دورِ مبارک کی تصویر پاکیزہ فلم کی طرح ابھر رہی تھی۔ پھر بے اختیار سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ مائدہ، سورۂ انفال، سورۂ توبہ، غرض تمام مدنی سورتیں پڑھیں۔ کچھ عجیب کیفیت سے دوچار ہورہا تھا۔ کبھی اللہ کی کتاب پڑھتا، کبھی آنکھیں بند کرلیتا، کبھی مصحف ہاتھ میں ہوتا اور کبھی دونوں زانوؤں کی زینت بنتا۔ سوچتا، کیسا مبارک انقلاب تھا؟ کن نازک حالات میں برپا ہوا؟ کیسی مخالفتیں ہوئیں؟ کیا کیا سازشیں کی گئیں؟ ان کے جواب میں کیا تدبیریں اختیار کی گئیں اور کیا حکمت و دانائی تھی جن کا بر وقت مظاہرہ ہوتا رہا؟ قرآن مجید کی تلاوت کا ایک نیا لطف آیا۔ محسوس ہوا کہ کچھ نئے گوشے سامنے آرہے ہیں۔ میں ایک ایسے

عالم کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا جسے دیکھنے کی تمنا سب سے بڑی تمنا ہے۔ کیا معلوم کہ یہ تمنا کب پوری ہوگی اور وہ صبح سعادت دوبارہ کب طلوع ہوگی، جس نے پوری دنیا کو روشنی سے بھر دیا تھا؟

کسی بھی مسجد میں نماز پڑھنے کا جو ثواب ہے، مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کا ثواب اس سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ بیت اللہ میں جو نماز ادا کی جائے اس کا ثواب تو ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

صلوٰۃ فی مسجدی ھٰذا خیر من الف صلوٰۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام۔
(بخاری ومسلم)

میری اس مسجد میں نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔ مسجد حرام اس سے مستثنیٰ ہے (اس کا ثواب اس سے زیادہ ہے)

جب یہ حدیث ذہن کے پردے پر ابھرتی تو جی چاہتا کہ نماز کے لیے کھڑا ہو جاؤں۔ مسجدِ حرام کی نمازیں بھی عام نمازوں کی طرح غفلت ہی کی نمازیں رہیں، لیکن کبھی کبھی ایک طرح کے کیف و سرور اور لذت کا احساس بھی ہوا۔ یوں محسوس ہوا جیسے خدا کے حضور کھڑا ہوں، گناہوں کا احساس ابھر رہا ہے، دل کا زنگ دوُر ہو رہا ہے اور خدا سے قربت کا لطف مل رہا ہے۔ ایسے میں دعاؤں کی لذت بھی ملی۔ خدا سے مانگنے میں جو لذت ہے اسے کن الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے؟

مسجد نبوی، جو اسلامی مملکت کا مرکز تھی، جہاں سے پورے حجاز پر حکومت ہو رہی تھی، اس کی لمبائی صرف سو ہاتھ تھی اور چوڑائی بھی تقریباً اتنی ہی تھی۔ گویا مسجد کی شکل مربع تھی۔ بنیاد تین ہاتھ کھودی گئی تھی۔ بنیادیں پتھر کی

اور دیواریں اینٹ کی تھیں۔ کھجور کے تنوں کے ستون تھے۔ کھجور ہی کے پتوں کی چھت تھی۔ چھت اتنی نیچی تھی کہ آدمی کھڑا ہوکر اسے چھوسکتا تھا۔ بارش میں چھت ٹپکتی تھی۔ بعد میں چھت مٹی سے پاٹی گئی۔ مسجد کی تعمیر میں سات ماہ یا ایک سال کے قریب وقت لگا۔ فرش کنکریوں کا تھا۔ خیبر کے بعد مزید توسیع ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے لیے زمین خرید کر وقف کی تھی۔ مسجد کے آخری حصے میں صفّہ تھا۔ اس پر چھت پڑی ہوئی تھی۔ یہ غالباً مسجد کے بعد تعمیر ہوا۔ جب مہاجرین کی تعداد زیادہ ہوگئی اور ان میں سے بعض کے قیام کا انتظام نہ تھا تو صفہ ان کا مسکن تھا۔ جو لوگ یہاں قیام پذیر تھے اور دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے ان کی معاش کا کوئی مستقل نظم نہ تھا۔ رات میں نبی ﷺ مختلف صحابہ کے یہاں ان کے کھانے کا نظم فرماتے تھے۔ دن میں یہ حضرات اپنے طور پر کچھ معاشی کوشش کرتے رہے ہوں گے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسجد میں آگے کی طرف توسیع عمل میں آئی۔ حضرت عثمانؓ نے مزید توسیع کی۔ بعد میں اس میں مسلسل اضافے ہوتے رہے۔ اب حرم میں غیر معمولی توسیع ہوگئی ہے اور اس کا انتظام بھی قابلِ رشک ہے۔

قرآن مجید کی ہدایت ہے:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲

(الحجرات:۲)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارا کیا کرایا سب غارت ہوجائے اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی آپ کا احترام ضروری ہے۔ اس کا ایک تقاضا یہ ہے کہ آپ کی مسجد میں شور وغل نہ ہو اور ہر آن ادب و احترام ملحوظ رکھا جائے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے دو آدمیوں کو مسجد نبوی میں لڑتے جھگڑتے دیکھا۔ دریافت فرمایا کہ تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو؟ انھوں نے عرض کیا: طائف سے تعلق ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم مدینہ کے ہوتے تو میں تمھیں اس بے ادبی پر سزا دیتا۔ مشکوٰۃ بہ حوالہ بخاری۔ (یعنی چوں کہ باہر سے آئے ہو اور مسجد نبوی کے آداب سے واقف نہیں ہو اس لیے نظر انداز کیا جا رہا ہے)

مدینہ منورہ کی زیارت اور مسجد نبوی میں نماز، حج کا جز نہیں ہے، اس لیے اس کے ساتھ احرام وغیرہ کی پابندی نہیں ہے۔ کسی بھی مہینے میں اور کسی بھی دن زیارت ہوسکتی ہے۔ حج کے مہینوں کی شرط نہیں ہے۔ لیکن حج کو جانے والے مسجد نبوی کی زیارت سے محروم رہنا پسند نہیں کرتے۔ اس سے بڑی محرومی ہو بھی کیا سکتی ہے کہ آدمی حج کے لیے مکہ مکرمہ جائے اور مدینہ منورہ نہ پہنچے۔ مسجدِ حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی کو خاص عظمت اور امتیاز حاصل ہے۔ ان کی زیارت کے ارادے سے سفر بھی کیا جاسکتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور عبادت گاہ کے لیے خاص طور پر سفر کرنا صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تُشَدُّ الرحالُ اِلاّ الٰی ثلاثۃ مساجد: مسجد الحرام و مسجدُ الاقصٰی و مسجدی ھٰذا۔ (بخاری و مسلم)	تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے (ثواب کی نیت سے) سفر نہیں کیا جائے گا۔ وہ ہیں: مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد۔

۴/اپریل کو جناب عارف الحق صاحب کے ساتھ ہم دونوں نماز فجر کے لیے مسجد نبوی پہنچے۔ طے شدہ پروگرام کے تحت نماز سے فارغ ہونے کے بعد عزیزم محی الدین غازی فلاحی اور عزیزم عبد اللہ حماد بھی حرم پہنچ گئے۔ یہ مختصر قافلہ مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ ان مقامات کی زیارت میں اس سے پہلے بھی کر چکا تھا۔ البتہ میری اہلیہ کے لیے یہ نئے تھے، لیکن جب دیکھیے تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ ہماری تاریخ وابستہ ہے۔ جبل احد پہنچے۔ جنگِ احد یاد آگئی۔ فتح کے بعد شکست کھانے کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ اس میں بعض کم زوریاں بھی سامنے آئیں اور ان کی اصلاح کی ہدایت کی گئی۔ ایک موقع پر رسولِ اکرمؐ نے فرمایا:

ھٰذا جبل احد یحبّنا و نحبّہ۔ (بخاری) — یہ احد پہاڑ ہے۔ یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

جب کوئی تکلیف دہ واقعہ پیش آتا ہے تو کم زور ذہن اس جگہ کو بھی منحوس اور نامبارک سمجھنے لگتا ہے جہاں وہ واقعہ پیش آیا۔ رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد کا ممکن ہے یہی پس منظر ہو۔ آپ نے بتایا کہ شکست کا اس پہاڑ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔

اس کے بعد شہداء کا قبرستان دیکھا۔ دعا کے لیے بے اختیار ہاتھ اٹھ گئے۔ مسجدِ قبلتین پہنچے جہاں تحویلِ قبلہ کے حکم کے بعد نماز کا رخ بدل دیا گیا تھا۔ ہجرت کے بعد بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز ادا کی جاتی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نماز میں تھے کہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم نازل ہوا۔ عین حالت نماز میں اس پر عمل ہوا اور باقی نماز کعبہ کی طرف منہ کرکے پڑھی گئی۔ اسی وجہ سے اسے مسجد قبلتین کہا جاتا ہے۔ مسجدِ قبا

دیکھی جس کی تعریف میں قرآن نے کہا:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

(التوبة:۱۰۸)

جو مسجد اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی ہے وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں، جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے وقت مدینہ پہنچنے سے قبل اس میں نماز ادا کی تھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں ''ہر شنبہ کو رسول اللہ ﷺ کبھی پیدل اور کبھی سواری پر اس مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ (بخاری و مسلم) وہاں دو رکعت نماز ادا کرنے کی توفیق ملی۔ آگے بڑھ کر بئر (کنواں) سلمان الفارسی دیکھا۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے دستِ مبارک سے یہاں کھجور کا ایک درخت لگایا گیا تھا، جو صدیوں باقی رہا۔ کعب بن اشرف یہودی کا قلعہ عبرت کے ساتھ دیکھا۔ جبل محروق کے قریب سے گزرے۔ خندق کے نشانات تو محفوظ نہیں ہیں، البتہ سبع مساجد، جو مختلف صحابہ کرام کے نام سے موسوم ہیں، موجود ہیں۔ انھیں دیکھنے کا موقع ملا۔ چار پانچ گھنٹے کے سفر سے واپسی ہوئی۔ تھوڑی دیر آرام کیا، ناشتے اور غسل سے فارغ ہوئے اور جمعہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد روضۂ مبارک پر حاضری دی۔ باچشمِ تر سلام عرض کیا۔ کتنی بڑی سعادت ہے کہ ہر امتی کا سلام شاہِ دو عالم کی خدمت میں پیش ہوتا رہتا ہے۔ توقع ہے، ہم جیسے گناہ گار بھی اس سعادت سے محروم نہ ہوں گے۔ میرا سلام بھی ضرور پہنچا ہوگا۔ اللھم صلّ علی محمد و بارک و سلم۔ کئی دن کی کوشش کے بعد آج

روضۃ الجنۃ میں دو رکعت ادا کرنے کی سعادت ملی۔

ما بين بيتي و منبري روضة من رياض الجنة، و منبري على حوضي۔ (بخاری و مسلم)	میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر حوضِ کوثر پر ہے۔

جس حصۂ زمین پر صبح و شام اللہ کے رسول ﷺ کے قدم مبارک پڑتے رہے ہوں، جہاں جبینِ مبارک اللہ کے دربار میں سجدہ ریز رہی ہو، وہ یقیناً جنت ہی کا ایک ٹکڑا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کچھ بعید نہیں، یہ جنت ہی کا ایک ٹکڑا ہو، گو وہ دیکھنے میں عام زمین ہی کی طرح ہے۔ جس خداوندِ رحیم و کریم نے جنت کے اس حصہ پر سجدہ کرنے کی توفیق دی، توقع ہے کہ اپنے فضلِ خاص سے آخرت میں بھی اسے جنت سے سرفراز فرمائے گا۔ حرم میں یہ جو وقت گزرا اس میں رفیق محترم نذیر احمد صاحب ساتھ تھے۔ ڈاکٹر کلیم الرحمٰن صاحب کی اہلیہ اور میری اہلیہ بھی جمعہ کے لیے گئیں اور اس احساس کے ساتھ بعد عصر واپس ہوئیں کہ حرمِ نبوی میں جو لمحات بھی گزر جائیں وہ زندگی کے قیمتی لمحات ہیں۔

آج ۸/اپریل ذی قعدہ کی آخری تاریخ ہے اور مدینہ منورہ کی آمد پر آٹھ دن گزر چکے ہیں۔ نواں دن شروع ہوچکا ہے۔ فجر، ظہر، عصر، ہم دونوں کی حرم میں ادا ہوئی۔ عبد الرزاق صاحب اور ان کے بھتیجے خالد صاحب ساتھ تھے۔ آج ہی دوبارہ مکہ روانگی ہے۔ دعا کی۔ اس طرح دعا کی جس طرح ایک غافل انسان دعا کرتا ہے۔ لیکن اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے جب یہاں پہنچایا ہے تو توقع ہے کہ اپنے فضل و کرم سے بے جان الفاظ میں جان بھی ڈال دے گا اور ایک بے خبر انسان کی دعائیں بھی قبول کرے گا۔

صلوٰۃ وسلام ہو اس مقدس ہستی اور اس کے ساتھیوں پر، جس کے صدقے میں ایمان و اسلام کی دولت ملی۔ خدایا بار بار حاضری کا موقع عنایت فرما۔ جی بھرا ہے نہ بھر سکتا ہے۔

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے بعض ہندستانی اور ریسرچ اسکالرس سے دوبار تفصیلی ملاقات رہی۔ وقت کے علمی اور فکری مسائل اور ان کے تقاضوں کی طرف توجہ دلائی گئی۔ فقہی اختلافات میں صحیح نقطۂ نظر واضح کیا گیا اور مسلکِ سلف پر بھی گفتگو رہی۔

بعض اور احباب اسی طرح کے موضوعات پر گفتگو کے لیے جدہ سے مکہ مکرمہ پہنچے اور میری گزارشات ٹیپ کیں۔

مدینہ سے واپسی

۸/اپریل بعد عصر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لیے روانگی ہوئی۔ عارف الحق صاحب اور عبد الرزاق صاحب نے رخصت کے لیے بس اڈے پہنچایا، لیکن غیر معمولی تاخیر ہوتی رہی۔ مغرب و عشاء وہیں ادا کی۔ شب میں آٹھ بجے کے قریب بس روانہ ہوئی۔ اتنی دیر تک ان دونوں رفیقوں کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔ مدینہ کے راستے سے مکہ مکرمہ آنے والوں کے لیے میقات ذوالحلیفہ ہے۔ میقات کی تعیین رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

یهلّ اهل المدینة من ذی الحلیفة و اهل الشام من الجحفة و اهل نجد من قرن، ویهلّ اهل یمن من یلملم۔ (بخاری، کتاب الحج، باب میقات اہل المدینۃ۔ مسلم کتاب الحج، باب مواقیت الحج والعمرۃ)	اہلِ مدینہ (حج اور عمرہ کے لیے) ذو الحلیفہ سے تلبیہ پڑھیں گے، اہلِ شام جحفہ سے، اہلِ نجد قرن منازل سے اور اہلِ یمن یلملم سے۔

(مزید روایات بخاری و مسلم میں دیکھی جاسکتی ہیں۔)

تلبیہ کے الفاظ ہیں:

لَبَّیکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ، لَبَّیکَ لاَ شَرِیکَ لَکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لاَ شَرِیکَ لَکَ۔

(حوالہ سابق، باب التلبیۃ)

میں حاضر ہوں اے اللہ حاضر ہوں۔ حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں بے شک فضل و احسان تیرا ہی ہے، سلطنت و اقتدار تیرا ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

ہند و پاک کے لوگوں کے لیے میقات یلملم ہے۔ ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے آٹھ دس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ تقریباً بیس منٹ میں بس میقات پر پہنچ گئی۔ یہاں زائرین کے لیے بڑے ہی نفیس اور عمدہ انتظامات ہیں۔ صاف ستھری اور وسیع مسجد، جدید قسم کے غسل خانے، غسل اور وضو کے لیے گرم اور ٹھنڈا پانی، بہت کچھ موجود ہے، لیکن نا واقفیت کی وجہ سے بعض لوگ ٹھیک سے فائدہ نہیں اٹھا پاتے۔ ہماری بس سڑک کے کنارے رکی۔ میقات پر وضو اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے احرام باندھا اور ہم دونوں باہر آئے تو بس اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ بعض لوگوں نے تلاش میں مدد دی۔ لیکن بس نہیں ملی۔ کافی دیر پریشان رہے۔ $\frac{1}{2}$ ۹ کے بعد بس ملی۔ غالباً اس کی جگہ بدل گئی تھی۔ ۱۲ ربجے ایک جگہ بس رکی تو اس طرح رکی کہ ڈرائیور صاحب کا پتہ ہی نہ چلا۔ کہیں آرام فرما رہے تھے۔ اب ڈھائی بج چکے تھے۔ مسافر سخت پریشان تھے۔ ڈرائیور صاحب تشریف لائے۔ مسافروں نے ناگواری کا اظہار کیا، لیکن ان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ تین بجے کے قریب بس چلی۔ تھوڑی دیر کے بعد نماز فجر کے لیے رک گئی۔ اس طرح ۹ راپریل کو $\frac{1}{2}$ ۸ بجے کے قریب مکہ مکرمہ پہنچے۔ معلم کی ٹیکسی نے ڈاکٹر محمد آصف علی کے گھر پہنچادیا۔

تکان اتنی زیادہ تھی کہ عمرہ کی ہمت نہیں ہوئی۔

۱۰/ اپریل ۲/ ذی الحجہ کو ہم دونوں نے حرم میں نماز فجر پڑھی۔ اس کے بعد عمرہ ادا کیا۔ ہجوم کی وجہ سے کافی وقت لگا۔ شکلاً ہر رکن ادا ہو رہا ہے، لیکن روح اور جذبے سے خالی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تحت بہ ظاہر جو دوڑ دھوپ ہو رہی ہے دعا ہے کہ اسے وہ روح سے بھر دے اور اپنے فضلِ خاص سے قبول فرمائے۔

آج ۱۵/ اپریل اور ۸/ ذی الحجہ ہے۔ اب ایام حج شروع ہو چکے ہیں۔ ہمارا حج معلّم کے ساتھ نہیں ہے۔ برادرم جناب ارشد سراج الدین صاحب کچھ افراد کے ساتھ حج کرتے ہیں۔ اب کی بار چالیس سے زاید افراد کا انھوں نے نظم کیا تھا۔ دوستوں نے طے کیا کہ ہمارا حج بھی اسی قافلے کے ساتھ ہو۔ قافلہ کے بیش تر افراد صبح منیٰ پہنچ گئے۔ ہمارا پروگرام بھی سویرے ہی پہنچنے کا تھا، لیکن بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے ارشد سراج الدین صاحب پانچ سات افراد کو، جن میں ہم دونوں بھی شامل تھے، ½ ۱۱ بجے لے کر روانہ ہوئے۔ ہماری گاڑی جب منیٰ کی طرف روانہ ہوئی تو ہم نے دور ہی سے دیکھا کہ منیٰ میں زبردست آگ لگی ہوئی ہے۔ دھواں بادل کی طرح اٹھ کر افق پر چھا رہا ہے۔ جب ہم منیٰ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ احتیاطاً راستے بند کر دیے گئے ہیں۔ ہم لوگ مجبوراً پانچ بجے تک ایک جگہ رکے رہے۔ اس کے بعد منیٰ پہنچے۔ اس وقت تک آگ بجھ چکی تھی اور نئے انتظامات ہو رہے تھے۔ ہمارا کیمپ جائے حادثہ سے دور اور جمرات کے قریب تھا۔ الحمد للہ کیمپ کے لوگوں کا جانی اور مالی کوئی نقصان نہیں ہوا۔

منیٰ میں آگ لگنے کے چھوٹے موٹے واقعات ہوتے رہتے ہیں، لیکن حالیہ برسوں میں غالباً یہ سب سے بڑا حادثہ ہے، جس میں ستّر اسّی ہزار

خیمے جل کر راکھ ہوگئے، سیکڑوں افراد جاں بہ حق ہوگئے، جن میں زیادہ تر کا تعلق ہندستان، پاکستان اور ایران سے بتایا جاتا ہے۔ بدحواسی، پریشانی اور جان بچانے کی فکر کی یہ کیفیت بیان کی جاتی ہے کہ بہت سے لوگوں کو راستہ ہی سمجھ میں نہین آرہا تھا کہ کدھر بھاگیں۔ کچھ لوگ پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے، کچھ لوگ حرم کی طرف بھاگ رہے تھے اور کچھ لوگ مخالف سمت میں جارہے تھے۔ مال و اسباب کے نقصان کا اندازہ نہیں کیا جاسکا اور شاید اس کا اندازہ کرنا مشکل بھی تھا۔ یہ آگ کیسے لگی؟ کہاں سے شروع ہوئی؟ کہاں تک پھیلی؟ اس میں کس کی بے احتیاطی کا دخل ہے؟ اس پر بروقت کنٹرول کیا جاسکتا تھا یا نہیں؟ اس پر بہت بحث ہوچکی اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی اور اس کے اسباب تلاش کیے جاتے رہیں گے، لیکن منیٰ اور عرفات میں جہاں لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے ___ غالبًا اب کی بار بیس لاکھ کا مجمع تھا ___ بعض باتیں قابل غور معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو خیمے فائر پروف ہونے چاہئیں۔ اس کے باوجود آگ لگنے کا امکان ہے۔ اس کے لیے آگ بجھانے کا معقول انتظام بڑے بڑے خیموں میں ضرور ہونا چاہیے۔ خیمے اتنے قریب ہوتے ہیں کہ وقتِ ضرورت آدمی نکل کر بھاگنا چاہے تو بھی بھاگ نہیں سکتا۔ ان کے درمیان فاصلہ ہونا چاہیے دوسرے یہ کہ منیٰ اور عرفات میں حکومت کے عملے اور مہمانوں کے لیے مخصوص کیمپ نہ ہوں۔ اس سے جگہ بہت گھرتی ہے۔ جس طرح مسجد میں لوگ چھوٹے بڑے کے فرق کے بغیر نماز ادا کرتے ہیں، اسی طرح انھیں بھی مناسک حج ادا کرنے چاہئیں۔ تیسرے یہ کہ منیٰ اور عرفات میں گیس سلنڈر، اسٹو یا کوئی بھی آتش گیر مادہ لے جانے کی ممانعت ہونی چاہیے اور تیار کھانا فراہم کیا جانا چاہیے۔ حجاج کو بھی حج کے دنوں میں جو کھانا فراہم کیا جائے، چاہے وہ ان کے ذوق کے مطابق نہ ہو، گوارا کرنا چاہیے۔

رات منیٰ میں گزری۔ منیٰ میں نمازیں قصر پڑھی جاتی ہیں۔ اس حادثہ اور اس کے نتیجے میں جو دوڑ بھاگ ہوئی اس میں نماز، ذکر وفکر اور عبادت کا کوئی اہتمام نہیں ہوسکا۔ جگہ کی شدید کمی بھی ایک رکاوٹ تھی۔ یوں محسوس ہوا جیسے یہ مبارک رات ضائع گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور محض منیٰ میں قیام کی برکت سے اپنے کرم سے نوازے۔

۱۶/ اپریل، ۹/ ذی الحجہ۔ آج یومِ عرفہ ہے۔ عرفہ اصل حج ہے۔ یہاں کا قیام، چاہے وہ تھوڑے ہی سے وقت کے لیے کیوں نہ ہو، ضروری ہے۔ اگر یہاں بالکل قیام نہ کیا جاسکے تو حج ہی نہ ہوگا۔ صبح ہی سے منیٰ سے عرفہ روانگی شروع ہوجاتی ہے۔ ہم لوگ کسی قدر تاخیر سے سوا نو بجے روانہ ہوسکے۔ ٹریفک کی وجہ سے دو گھنٹے میں میدانِ عرفہ پہنچے، لیکن برادرم ارشد صاحب اور ڈرائیور دونوں ہی راستہ بھول گئے۔ بالآخر ایک بجے کے قریب سخت گرمی میں ہم لوگ خیمے میں پہنچے۔ عرفات میں امام کا خطبہ نہ سن سکے۔ نماز ظہر اور عصر ایک ساتھ اور قصر ادا کی۔ یہی مسنون ہے۔ نماز کے بعد تلاوت اور دعا میں لگے رہے۔ بیس لاکھ کا مجمع اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعاؤں میں مصروف ہے۔ کہیں کہیں اجتماعی دعائیں بھی ہو رہی تھیں۔ بعض اوقات لوگ دعاؤں کی کوئی کتاب لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک شخص پڑھتا جاتا ہے اور دوسرے سن کر آمین کہتے رہتے ہیں۔ ایسے مواقع پر دیکھنے میں یہ آیا کہ کچھ لوگ تھک کر بیٹھ جاتے ہیں، کچھ لوگ الگ سے اپنی دعاؤں میں لگ جاتے ہیں، کچھ لوگ بے دلی سے ہاتھ اٹھائے رہتے ہیں۔ یہ اجتماعی دعائیں فطری طور پر اس تاثر سے خالی معلوم ہورہی تھیں جو انفرادی دعاؤں میں پایا جاتا ہے۔ بہت سے اللہ کے بندے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ اس کے دربار میں ہاتھ پھیلائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے کرم سے توقع ہے کہ ہم جیسے گنہ گاروں

کی دعاؤں کو بھی شرفِ قبولیت حاصل ہوگا۔

دعا اپنے دین و ایمان کے لیے کی۔ پورے سفر میں کوئی خاص وقت ایسا نہیں گزرا، جس میں اپنے مرحوم والدین کے لیے دعا نہ کی ہو۔ ان ہی کے لطف و محبت اور ایثار و قربانی کے نتیجے میں علم دین کی توفیق اور ٹوٹی پھوٹی خدمتِ دین کی سعادت ملی۔ افسوس ہے کہ جب تک وہ حیات رہے ان کا حق ادا نہ ہوا اور ان کی خدمت نہ کی جاسکی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کوتاہی کی تلافی کے لیے فرمایا ہے: ''والدین کے انتقال کے بعد ان کی مغفرت اور درجات کی بلندی کی دعا کی جاتی رہے۔'' اپنے بچوں کے لیے دعا کی۔ ان سب کے لیے دعا کی، جنھوں نے محض حسنِ ظن کی بنا پر درخواست کی تھی۔ اپنے ماضی کی طرف دیکھتا ہوں اور زندگی جس طرح گزری اس کے بارے میں سوچتا ہوں تو شدید احساس ہوتا ہے کہ بڑا حصہ غفلت کی نذر ہوگیا۔ دعا ہے کہ جو حصہ رہ گیا ہے اس میں اس کی تلافی کی توفیق نصیب ہو۔ اللہ کا کرم ہے کہ شروع ہی سے دل چسپی دین کے مطالعہ سے رہی اور دینی مضامین لکھنے کی توفیق ملی۔ اس جوش میں بہت سے موضوعات چھیڑ رکھے ہیں۔ اپنی سست رفتاری کی وجہ سے ان کی تکمیل بہ ظاہر بڑا وقت چاہتی ہے۔ دعا ہے اور یہی دعا عرفات میں، منیٰ میں، مزدلفہ میں اور اللہ کے گھر میں بیٹھ کر کی کہ وہ میرے اوقات میں برکت دے اور نامکمل کاموں کی تکمیل کی قوت و صلاحیت عطا فرمائے۔ قلم اور زبان کو بے راہ روی اور لغزشوں سے بچائے رکھے۔ جب تک جسم و جان کا رشتہ باقی ہے، زندگی اس کے دین کی راہ میں صرف ہو۔ وہ دن نہ آنے پائے جب دنیا مقصود بن جائے اور اس کے لیے زبان و قلم حرکت کرنے لگیں۔

میں نے دیکھا کہ اہلیہ کو مجھ سے زیادہ توجہ اور یکسوئی حاصل ہے۔ وہ درد و سوز کے ساتھ دعاؤں میں لگی رہتی ہیں۔ میں نے کہا: دعا میرے لیے

بھی کرتی ہو یا نہیں؟ کہا: کرتی ہوں۔ میں نے کہا: کیا کرتی ہو؟ کہا: جو دعا کرنی ہے وہ کرتی ہوں، یہ نہ پوچھیے کہ کیا کرتی ہوں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ بات پوچھنے کی ہے بھی نہیں۔ عرفات میں کیمپ کے لوگوں کی خواہش پر آدھا گھنٹہ خطاب رہا۔ اس میں حج کی اہمیت، معنویت اور یومِ عرفہ کی فضیلت پر اظہارِ خیال کیا۔

مغرب سے پہلے ہی مزدلفہ روانگی کی تیاری شروع ہوگئی۔ ۶½ بجے ہم لوگ بس میں سوار ہوئے، لیکن ٹریفک کی وجہ سے راستہ جام تھا۔ زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹے کا راستہ تقریباً تین گھنٹے میں طے ہوا۔ ہم لوگ پونے دس بجے مزدلفہ پہنچے۔ مغرب اور عشاء کی نماز ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ پڑھی۔ مزدلفہ میں دونوں نمازیں جمع کی جاتی ہیں اور قصر پڑھی جاتی ہیں۔ حسبِ توفیق عبادت اور دعا میں لگے رہے۔

۱۷/اپریل ۱۰/ذی الحجہ۔ نماز فجر کے فوراً بعد پھر منیٰ کے لیے روانگی شروع ہوگئی۔ جلد ہی منیٰ پہنچ گئے۔ ہمارا خیمہ جمرات سے قریب ہے۔ اس کے باوجود سڑک سے جمرات تک پہنچنے کے لیے سیڑھیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ دو سو سے کم نہیں ہوں گی۔ پھر بھی ہمت کی۔ کیمپ کے دو ایک ساتھیوں کے ساتھ جمرات پہنچے اور رمی کا فرض ادا کیا۔ اہلیہ کی طرف سے بھی رمی کی۔ واپسی پر تکان کا احساس ہوا۔ تھوڑی دیر آرام کے بعد حلق کرایا۔ قربانی کا نظم ارشد سراج الدین صاحب نے کیا۔ نمازیں خیمہ ہی میں ادا ہوتی رہیں۔

۱۸/اپریل ۱۱/ذی الحجہ، جمعہ کا دن ہے۔ منیٰ سے لوگ جوق در جوق نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے حرم جا رہے ہیں۔ سنا ہے کہ دس لاکھ سے زیادہ کا مجمع تھا۔ میرا بھی بہت جی چاہ رہا تھا کہ نماز جمعہ حرم میں ادا ہو، لیکن ٹریفک اور مناسب سواری کے نہ ملنے کی وجہ سے یہ خواہش نہ پوری ہوسکی۔ البتہ اس کا

ایک فائدہ یہ ہوا کہ ایک دوست کے ساتھ میں نے اور اہلیہ نے تینوں جمرات پر بڑے اطمینان کے ساتھ اور قریب سے رمی کی، اس طرح اہلیہ کی یہ خواہش کہ وہ خود رمی کریں گی اللہ نے پوری کردی۔ مسجد حرام سے لوگ واپس نہیں ہوئے تھے، اس لیے اژدحام کم تھا۔

۱۹/اپریل ۱۲/ذی الحجہ۔ آج نماز فجر کے فوراً بعد ہم دونوں طوافِ افاضہ کے لیے حرم پہنچے۔ ہجوم کے باوجود طواف کی جگہ مل گئی۔ سعی میں بھی کوئی زحمت نہیں ہوئی۔ اس کے بعد مسجدِ حرام میں تھوڑی دیر بیٹھے۔ اللہ کے گھر کو دیکھتے رہے۔ کیا شان ہے اس گھر کی؟ اس کے بیان کے لیے الفاظ کہاں سے لائے جائیں؟

مطاف ہی کے اندر خاص طور پر مقامِ ابراہیم کے پاس لوگ طواف کی سنتیں اور نوافل پڑھنے لگتے ہیں۔ اس وجہ سے طواف میں بعض اوقات سخت زحمت پیش آتی ہے۔ لوگوں کو زحمت سے بچانے کے ارادہ سے اگر سنن و نوافل مطاف سے ہٹ کر حرم میں کسی بھی جگہ ادا کر لیے جائیں تو ان شاء اللہ ثواب میں کمی نہ ہوگی۔ مطاف اتنا وسیع ہے کہ یہ رکاوٹ نہ ہو تو ہزارہا افراد بیک وقت آسانی سے طواف کر سکتے ہیں۔

آج جمرات پر بے پناہ ہجوم تھا۔ جلد واپسی کے ارادے سے لوگ زوال سے پہلے ہی جمرات کے قریب جمع ہونے لگے۔ تاکہ جیسے ہی زوال کا وقت ہو، رمی کرسکیں۔ میں نے دو ایک ساتھیوں کے ساتھ ہمت کی۔ مجمع کی وجہ سے ایک جگہ سخت زحمت ہوئی، لیکن جمرات تک پہنچا اور اپنی طرف سے اور اہلیہ کی طرف سے رمی کی۔ آج کی رمی بلاشبہ تھکا دینے والی تھی۔ اس طرح مناسکِ حج اب پورے ہوچکے۔ چار بجے واپسی ہوئی۔ شارع منصور میں چند گھنٹے قیام کے بعد ہم لوگ شب میں گیارہ بجے

ڈاکٹر محمد آصف صاحب کے ہاں پہنچے۔

ڈاکٹر محمد آصف علی صاحب اور ڈاکٹر رفیعہ صاحبہ نے اس سفر میں دس گیارہ روز تک اس قدر خلوص اور محبت سے اپنے گھر رکھا اور میزبانی کی کہ دل سے دعائیں نکلتی رہیں۔ ان کے بعض اعزّا بھی حج کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ان کے دو ایک دوست بھی اچانک پہنچ گئے۔ سب کے لیے انھوں نے جگہ نکالی۔ اپنی مصروفیت کے باوجود جس طرح مہمانوں کی ضروریات اور ان کی آسائش کا یہ دونوں خیال کرتے تھے، وہ قابل رشک تھا۔

۲۳/ اپریل کی شام سے ۲۸/ اپریل کی شام تک جدہ میں برادرم جلیل اصغر صاحب کے یہاں قیام رہا۔

جلیل اصغر صاحب سے علی گڑھ ہی سے ایک طرح کی بے تکلفی ہے۔ اس کی وجہ سے ان کا گھر اپنا گھر محسوس ہوا۔ ان کی اہلیہ اور بچوں نے ہم لوگوں کی آسائش کا بہت خیال رکھا۔ اس مدت میں جدہ کے بہت سے دوستوں سے برادرم ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی صاحب، جناب سید یوسف ہاشمی صاحب، جناب عبد القادر صاحب، جناب عبد العلیم خاں فلکی صاحب، ڈاکٹر منظور احمد صاحب، سعید شیبی صاحب وغیرہ سے ملاقاتیں رہیں اور از راہِ محبت دعوتوں کا طویل سلسلہ رہا۔ بعض اوقات خاصے احباب جمع ہوجاتے تھے۔ ان کے درمیان قرآن کا درس دینے، یا کسی دینی موضوع پر اظہارِ خیال کا موقع بھی ملتا رہا۔ اس طرح یہ ملاقاتیں بحمد اللہ دینی ملاقاتیں رہیں۔ ۲۵/اپریل کو ایک ہوٹل میں عید ملن کا پروگرام تھا۔ کافی ہندستانی رفقاء اور احباب جمع تھے۔ اس وقت دوستوں کو ان کی دینی ذمہ داریاں یاد دلائی گئیں۔

۲۵/ اپریل کو سعودی گزٹ کے اسسٹنٹ ایڈیٹر عرفان اقبال خاں صاحب انٹرویو کے لیے پہنچ گئے۔ وقت کی کمی کے باعث انٹرویو نامکمل رہا تو

دوبارہ ۲۷/اپریل کو انھوں نے زحمت کی۔ انٹرویو کا تعلق خاص طور پر ہندستان کے مسلمانوں اور ان کے مسائل سے تھا۔ ۵/مئی کو یہ انٹرویو سعودی گزٹ میں شائع ہوا۔ بعد میں یہ ہفت روزہ ریڈینس دہلی میں بھی چھپا۔ اسی دوران میں عطاء اللہ صاحب اور مولوی محمد صدیق عمری مدنی کے ساتھ مکتبہ المامون جانا ہوا۔ یہاں عربی کتابوں کا کافی ذخیرہ ہے۔ بعض ان کتابوں کے بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا، جن کا اب تک صرف نام سن رکھا تھا۔ بعض کتابوں کی قیمتیں بھی نوٹ کیں۔

۲۸/مئی ۲۱/ذی الحجہ کو ہم دونوں جلیل اصغر صاحب کے ساتھ دوبارہ مکہ مکرمہ پہنچے۔ اب کی بار زیادہ تر قیام برادرم محمد اسماعیل صاحب، شیخ حیدر صاحب اور تمیز الدین صاحب کے یہاں رہا۔ یہ قیام ایک ہفتے کا تھا۔ اس دوران میں کئی مرتبہ طواف کی سعادت حاصل ہوئی۔ دو ایک مرتبہ تکان کا احساس ہوا تو اہلیہ نے ہمت دلائی کہ اس مبارک موقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیے۔ تکان ہو تو برداشت کی جائے۔ ایک مرتبہ مسجدِ تنعیم سے احرام باندھا اور مزید ایک عمرہ کیا۔

ایک روز ارشد سراج الدین صاحب کے ساتھ جامعہ ام القریٰ جانا ہوا۔ بعض دوستوں سے ملاقات رہی۔ ڈاکٹر طلعت سلطان صاحب کی تعلیمات پر بڑی اچھی نظر ہے۔ دیر تک ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ انھوں نے اپنی بعض انگریزی مطبوعات سے بھی نوازا۔

جامعہ کی لائبریری میں بھی تھوڑی دیر کے لیے جانا ہوا۔ جناب اکرم سبزواری صاحب سے ملاقات رہی۔ اس عرصہ میں کئی روز مکہ مکرمہ کے بعض مکتبوں میں جانا ہوا۔ جناب ارشد سراج الدین صاحب کی معیت میں بعض ضروری کتابیں خریدیں۔

ہمارا پاسپورٹ حسبِ ضابطہ معلّم کے پاس تھا۔ جناب تمیز الدین

صاحب کی کوشش سے اور ان کے ایک عرب دوست کی ضمانت پر واپس ملا۔ اس طرح اس سلسلہ کی پریشانیوں سے اللہ نے محفوظ رکھا۔ ایک ہفتے کے قیام کے بعد ۶رمئی ۹۷ء/ ۲۹رذی الحجہ ۱۴۱۷ ہجری مکہ مکرمہ سے روانگی کا پروگرام ہے۔ ظہر کی نماز حرم میں پڑھی۔ طوافِ وداع کیا۔ بار بار خدا کے گھر کو دیکھا۔ ان پروانوں کو دیکھا جو اس کے گرد چکر کاٹ رہے ہیں۔ یہ احساس دل و دماغ پر چھا گیا کہ حج جیسی مقدس عبادت کا حق نہ ادا ہوا۔ جس طرح حج ہونا چاہیے، نہ ہوسکا۔ اس مقدس شہر کا صحیح معنی میں احترام بھی باقی نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے اور بار بار اس گھر کی زیارت نصیب فرمائے۔

جناب تمیز الدین صاحب کے ساتھ بعد مغرب جدہ روانہ ہوئے اور عشاء کے وقت جدہ پہنچے۔ قیام حسبِ سابق جلیل اصغر صاحب کے ہاں رہا۔ یہاں پہنچتے ہی دوستوں سے ملاقاتوں اور ضیافتوں کا سلسلہ خاص طور پر بعد عشاء شروع ہوگیا۔ ایک دن خواتین بھی جمع ہوئیں۔ دیر تک ان کے سامنے دین کے تقاضے واضح کیے جاتے رہے۔

اس عرصے میں جناب لئیق اللہ صاحب اور محمد عاشق صاحب ریڈیو انٹرویو کے لیے آگئے۔ لئیق اللہ صاحب کا تعلق میرٹھ سے ہے۔ عاشق صاحب رام پور کے رہنے والے ہیں۔ رام پور میرے لیے وطن کی حیثیت رکھتا ہے۔ میرا عنفوانِ شباب وہاں گزرا ہے۔ بڑی قربت محسوس ہوئی۔ ان حضرات نے جو انٹرویو لیا تھا اس کی پہلی قسط ۹رمئی مطابق ۲رمحرم ۱۴۱۸ھ بہ روز جمعہ چار بجے شام کو اور دوسری قسط دوسرے جمعہ کو اسی وقت نشر ہوئی۔ لئیق اللہ صاحب نے اردو نیوز کے لیے ایک طویل انٹرویو لیا تھا۔ یہ دو قسطوں میں شائع ہوا۔

ایک روز مولوی حبیب اللہ عمری سے بیس پچیس برس بعد ملاقات ہوئی۔ وہ استاذ محترم مولانا ابو البیان حماد صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں۔ میں

بھی انھیں بھائی سمجھتا ہوں۔ جدہ ریڈیو سے متعلق ہیں۔ اپنے گھر لے گئے۔ ماضی کی بہت سی یادیں تازہ ہوگئیں۔

وطن مراجعت

ایک ہفتہ جدہ میں گزرا۔ بڑی اچھی صحبتیں رہیں۔ ریاض کے دوستوں نے بھی چاہا کہ دو ایک دن کے لیے میں ریاض پہنچ جاؤں۔ لیکن چوں کہ میں حج ویزا پر تھا اس لیے حرمین اور جدہ کے علاوہ کہیں نہیں جاسکتا تھا۔

جدہ میں پورے ایک ہفتہ قیام کے بعد ۱۳رمئی کو روانگی تھی۔ ۱۲رکی شب میں جناب تمیز الدین صاحب اپنی اہلیہ کے ساتھ ملاقات اور رخصت کرنے آگئے۔ کچھ دیر رہے۔ ایک بجے شب میں ان کی واپسی ہوئی۔

ہمارا ٹکٹ سعودیہ ایرلائنس کا تھا۔ صبح سات بجے فلائٹ تھی۔ اس کے لیے چار بجے جلیل اصغر صاحب کے ساتھ ایر پورٹ پہنچ گئے۔ ضابطہ کی کارروائیاں آسانی کے ساتھ ہوگئیں۔ جہاز کچھ تاخیر سے روانہ ہوا۔ ریاض ایک گھنٹے سے زیادہ رکا۔ ریاض سے جب ہم دہلی ایرپورٹ پر پہنچے تو یہاں شام کے چار بجے تھے۔ بچے علی گڑھ اور دہلی سے ایرپورٹ پہنچ گئے تھے۔ ساڑھے چھ بجے ڈاکٹر رفعت کے گھر پہنچا۔ دو روز قیام کے بعد علی گڑھ لوٹا۔ اس طرح یہ مبارک سفر ختم ہوا۔ پھر وہی شب و روز شروع ہوگئے، جو پہلے سے چلے آرہے تھے۔